انتساب 3

مختصر تاریخ ِ پاکستان 4

پنڈت ماؤنٹ بیٹن 55

فرامینِ قائد اعظم محمد علی جناحؒ 81

قائداعظم محمد علی جناحؒ و جہاد ِ فی سبیل اللّٰہ 93

ظہورِ پاکستان 97

پاکستان پر ہندتوا کے استعماری حملے(1947) 99

پاکستان کے بارے ہندتوا عفریت کے خیال و خواہشات 104

ہندتوا عفریت کے پاکستان پر حملے و انتشار(1971) 111

سوویت یونین 116

اسرائیل 124

امریکہ 126

افغانستان 128

سانحۂ مشرقی پاکستان۔بنگلہ دیش 130

سندھ۔سندھو دیش 139

سرحد۔آزاد پختونستان 145

بلوچستان۔گریٹر بلوچستان 149

الذوالفقار 151

انتساب

امام الانبیا خاتم النبیین جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد بن قاسم شہیدؒ اور ہر اس عظیم انسان عالم اسلام وانسانیت کے محافظ اور جو جو بھی جس جس طرح بھی جہاں جہاں بھی اسلامی جمہوریہ پاکستان (مدینۃ الثانی) کی ہر طرح سے تعمیر تکمیل حفاظت و سربلندی کے لیے کوشاں رہے یا کوششیں کرتے رہیں گے اور ہندتوا کے "مہابھارت" کی عفریت کی استعماری، دہشت گردانہ، غیر انسانی، غیر اخلاقی، غیر قانونی مہم جوئی اور سوچ و فکر کے خلاف کوشاں ہیں یا کوششیں کرتے رہیں گے۔

مختصر تاریخِ پاکستان

اللہ تعالیٰ م کی مدد و نصرت سے محمد بن قاسمؒ نے جون 712 میں دیبل فتح کیا تو رمضان المبارک کی 27 ویں رات تھی اور جب پاکستان حاصل کیا گیا تو تب بھی رمضان المبارک کی 27 ویں رات تھی۔ محمد بن قاسمؒ کی فتح سے لے کر پاکستان کے بننے تک بہت سے ادوار برِ صغیر میں آئے۔ 1857 کی جنگِ آزادی یا بہادر شاہ ظفر تک برِ صغیر کے کسی نہ کسی حصے پر گیارہ سو سال سے زائد مسلمان حکمران رہے۔ اس دوران کئی صدیاں ایسی بھی تھیں کہ تقریباً سارا برِ صغیر یا تو براہ راست مسلمانوں کی مرکزی حکومت کے ماتحت یا بیشتر حصہ باجگزار رہا۔

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا! پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید پر ہے نا کہ وطن اور نسل پر۔ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ اپنی پہلی قوم کا فرد نہیں رہا بلکہ ایک جداگانہ قوم (

امتِ مسلمہ) کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم موجود میں آگئی۔(مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ،8 مارچ 1944)

قائد اعظمؒ کا یہ فرمان نظریہ پاکستان کی مکمل ترین وضاحت ہے۔ کلمہ توحید کی بنیاد پر قومیت کا تصورِ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔اس عقیدے کو دوسرے لفظوں میں دو قومی نظریہ بھی کہا گیا ہے۔ قائد اعظمؒ کے فرمان کے مطابق تو پاکستان عہدِ نبوی ﷺ میں ہی قائم ہو گیا تھا اور جب تک ایک بھی مسلمان رہے گا پاکستان رہے گا ! انشاءاللہ۔

برصغیر میں عرب تاجر تجارت کے لیے بہت پہلے سے آتے تھے اور عرب قبائل مختلف علاقوں میں آباد بھی تھے۔اسی طرح برِصغیر کے قبائل عرب میں آباد تھے۔اسلام عہد نبوی ﷺ میں ہی برصغیر آگیا تھا دلیل کے طور پر دو مساجد بھی پیش کی جاتی ہیں۔

1- 623ء میں "برِوادا مسجد، گھوگھا گاؤں، بھاؤ نگر، ریاست گجرات" میں تعمیر ہوئی اس کے قبلہ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہے۔ نبی ﷺ کی پیدائش 571ء میں ہوئی، بعثت 610ء میں ہوئی۔ پھر آپ نے مکہ سے مدینہ

ہجرت 622ء میں کی جبکہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف قبلہ 624ء میں بدلا۔

-2 2-629ء میں "جامع مسجد چیرامان" کوچی شہر سے 45 کلومیٹر دور مٹھالہ کوڈنگور ضلع ترشور ریاست کیرالہ میں مالک بن دینارؓ کے ہاتھوں تعمیر ہوئی ۔مسجد نبوی ﷺ کے صرف سات سال بعد یہ تعمیر ہوئی۔

اس علاقے میں صدیوں تک حکمران رہنے والے چیراخاندان کے چیرامان پرومل (بادشاہ) نے معجزہ شق القمر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اس کھوج میں رہے کہ یہ کیا معاملہ ہوا ہے ،ان کے اپنے نجومی بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ اسی دوران کچھ (مسلمان)عرب تاجر یہاں آئے تو ان سے رسول ﷺ کے بارے میں سنا تو اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھا کر دوسرے عزیزوں کو سلطنت کی ذمہ داریاں دے کر یہ (عرب) مسلمان تاجروں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے وہاں اسلام قبول کیا اور تاج الدین نام رکھا اور جاتے ہوئے ساتھ ادرک کا اچار بھی لے کر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پسند فرمایا۔ صحابہ میں بھی تقسیم کیا، ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں مجھے بھی ایک ٹکڑا اچار کا ملا۔ (مستدرک حاکم)

تاج الدین (چیرامان پرومل) کچھ عرصہ وہاں رہے پھر اپنے وطن واپس آتے ہوئے سلالہ عمان میں فوت اور وہیں دفن ہوئے۔ فوت ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے بیٹے کے نام مالک بن دینارؓ کو خط دے کر بھیجا اور برہمندر کو مسجد بنانے کی ہدایت کی۔ یوں اس مسجد کا نام 'چیرامن مسجد'' پڑا۔ (تحفۃ المجاہدین مصنف شیخ زید الدین مخدوم ،المستدرک حاکم ، کیرالو لیتھی (کیرالا کی تاریخ)، پریچنگ آف اسلام ،ہندوستانی مؤرخ متائل ف گووندا مینن سنکارانارائن،)

2005ء میں ہندوستانی صدر اے پی جے عبدالکلام اس کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے اسے دیکھنے آئے۔ 14 اکتوبر 2009 کو عزت مآب ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اس کے بارے لکھا۔ 2016 میں ہندوستانی وزیر اعظم نریندر مودی نے اس کی تاریخی اہمیت کی وجہ سے اپنے دورہ سعودی عرب کے دوران سعودی فرمانرواشاہ سلمان کو سونے سے بنا اس مسجد کا نمونہ پیش کیا تھا۔

- سیدنا ابو بکرؓ کے دور میں زیادہ تر فتنوں کے خاتمے کی طرف توجہ رہی۔

- سیدنا عمرؓ کے دور میں عمان کے گورنر عثمان بن ابی العاص نے ممبئی کی طرف لشکر بھیجا اس جگہ کا نام " تھانہ " ہے۔
- سیدنا عثمانؓ نے باضابطہ مکران کی طرف مہم بھیجی۔
- سیدنا علیؓ کی دور میں 662ء میں قلات کی طرف آپؓ کے شاگرد یاسا گر کو بھیجا گیا۔
- 711ء کو محمد بن قاسمؒ نے سندھ پر حملہ کیا۔ 712 میں 18 جون کو سندھ فتح کیا اس وقت سندھ کے ساتھ بلوچستان اور ملتان کے علاقے تھے۔ یہ بنو امیہ کا دور تھا۔ 40 سال تک یہ خطہ بنو امیہ کی حکمرانی میں شامل رہا۔ یہاں سے سندھ، بلوچستان اور ملتان کا خراج باقاعدگی سے مرکزی بیت المال میں جاتا رہا۔
- خلیفہ خامس عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں ان علاقوں میں اشاعتِ اسلام کا کام سب سے زیادہ ہوا۔ جب انہوں نے کچھ داعیوں کو اشاعتِ اسلام اور تبلیغِ اسلام کے لیے ان علاقوں میں بھیجا۔ اس کے بعد بنو عباس کے دور میں 35 سال یہ علاقہ خلافت عباسیہ کا حصہ رہا۔ اس طرح یہ تمام علاقہ تقریباً 75 سال تک

خلافت اسلامیہ کا حصہ رہا۔ پھر ان علاقوں پر نظاری عرب جن کا تعلق حجاز سے تھا اور قحطانی عرب جو یمن سے تھے جو سندھ میں آباد تھے انہوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور باری باری ان علاقوں میں 200 سال تک حکمران رہے۔

- 997ء تک یہ علاقہ بنو امیہ دمشق اور بنو عباس کی خلافت میں مدینۃ السلام بغداد کے گورنروں کے زیر اثر رہا۔
- 712ء سے لے کر 1857ء تک اس شمال مغربی حصے پر کبھی ہندوؤں کی حکومت نہیں رہی۔ اس علاقے میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ ان علاقوں میں مسلمان تقریبا 800 سال حکومت کرتے رہے۔
- 768ء تا 773ء گورنر سندھ ہشام نے کشمیر پر حملہ کیا۔
- 1001ء میں سبتگین کے بہادر بیٹے محمود غزنوی نے جے پال کو شکست دے کر دوبارہ پشاور حاصل کر لیا۔
- 1185ء تک غزنی خاندان کی حکومت رہی۔

- 1186ء میں شہاب الدین غوری نے لاہور پر قبضہ کیا۔
- 1192 میں شہاب الدین غوری نے تراوڑی کے میدان میں پرتھوی راج چوہان کو شکست دی۔
- 1201ء میں محمد بن بختیار خلجی نے بنگال پر قبضہ کیا۔
- 1210ء تا 1290ء تک خاندان غلاماں حکمران رہے۔
- 1290ء تا 1320ء سلاطینِ خلجی حکمران رہے۔ انہوں نے 31 سال تک حکومت کی۔
- اس کے بعد تغلق آئے انہوں نے 94 سال تک حکومت کی پھر ساداتِ خضر خان وغیرہ انہوں نے 73 سال تک حکومت کی۔ 1451ء تک 1526ء لودھی خاندان کی حکومت 75 سال تک رہی۔
- 1450ء میں لودھی خاندان کے دور میں پٹھان ہندوستان آئے۔
- پندرہویں صدی کے آخر میں گرونانک نے کرتارپور نارووال میں سکھ مذہب کی بنیاد رکھی۔

- 1526ءتا1530 ظہیر الدین بابر نے ابراہیم لودھی کو پانی پت کی پہلی لڑائی میں شکست دے کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔1526ءتا1857ءتک 330سال تک مغلیہ سلطنت رہی۔
- 1612ءمیں جہانگیر کے دور میں اس کی تاریخی غلطی کی وجہ سے انگریز نے سورت میں تجارتی کوٹھی قائم کرنے کی اجازت حاصل کی۔
- 26جون1564تا10دسمبر1624ءتک شیخ احمد سرہندیؒ نے کلمہ حق بلند کیے رکھا۔
- 1658ءتا1707ءمیں اورنگزیب عالمگیر نے 49سال کے قریب تقریباً پورے برصغیر پر حکومت کی۔
- علی وردی خان نے1740تا1756تک بنگال پر حکومت کی۔
- 1757 میں سراج الدولہ(1756تا1757)نے انگریز کو کلکتہ میں شکست دی۔23جون1757 کوبنگال میں مسلم راج جنگِ پلاسی میں اپنوں کی غداری اور انگریز کی عیاری کے باعث ختم ہوا۔ مسلمانوں نے ایک آزاد خطہ کے لیے اپنی

کوششیں جاری رکھیں جبکہ انگریز اور ہندو نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی کسی آزاد خطے پر حکومت قائم رہے۔

- حیدر علی خان سلطان میسور (1767تا1782) نے جب دیکھا کہ مغلوں میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تو دکن میں حیدر علی نے نئی آزاد اسلامی مملکت قائم کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے چند سال میں ایسی طاقتور حکومت قائم کر لی جس نے انگریزوں، مرہٹوں اور نظام تینوں پر لرزہ طاری کر دیا۔
- سلطان ٹیپو شہیدؒ (1782تا1799) نے اپنے والد کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے اس وقت آزاد اسلامی حکومت کے لیے بھرپور سفارت کاری کی۔ جدید ترین اسلحہ، میزائل، جنگی مہارتیں بھی انگریز کے خلاف استعمال کیں۔ بعض دوسرے دیسی حاکموں کی طرح وہ بھی مخالف قوتوں کے سامنے جھک کر اپنی سلطنت کو بچا سکتے تھے لیکن ان کے سامنے سلطنت اور حکمرانی نہ تھی بلکہ آزاد اسلامی حکومت تھی۔ اسی لیے وہ زندہ تھے اور اس کی خاطر شہید ہو کر مسلمانوں کے سامنے اصل مقصد کا چراغ ہمیشہ کے لیے روشن کر گئے۔ مغلوں کے بعد آزاد

اسلامی حکومت کے لیے شہادت کا یہ پہلا خون تھا جو 4 مئی 1799 کو دکن میں سرنگاپٹم کی خاک پر بہایا گیا۔ ایک بار پھر غداری و عیاری جیت گئی اور اس عظیم شہادت پر برطانیہ میں جشن منایا گیا۔

- 4 مئی 1799 کو ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد چار سال بعد (ستمبر 1803) کو انگریز مرہٹوں کو شکست دے کر دہلی پر قابض ہو گئے۔
- شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (21 فروری 1703 تا 20 اگست 1762) اور شاہ عبدالعزیزؒ (11 نومبر 1746 تا 5 جون 1824) نے بھی اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کو زبوں حالی سے بچانے کے لیے بہت کوششیں کیں اور قربانیاں دیں۔ اورنگزیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد سلطنتِ مغلیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا، مرہٹوں اور سکھوں کی پے در پے یورشوں کے نتیجے میں برصغیر میں مسلم حکومت کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دوررَس نگاہوں نے مسلمانوں کے مستقبل کو درپیش خطرات کو بھانپ لیا۔ انہوں نے مسلمان نوابوں کو خطوط لکھے جن میں آنے والے خطرات سے آگاہ

کرتے ہوئے متحد ہونے کی تلقین کی گئی۔انہوں نے احمد شاہ ابدالی والئی کابل کو بار بار لکھااور بڑی دردمندی کے ساتھ متنبہ کیا کہ یہاں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر ہیں اگر ان کا اقتدار جاتا رہا تو وہ غالب اکثریت ہندوؤں میں گم ہو کر اپنا نشان کھو دیں گے۔شاہ ولی اللہؒ نے مسلمانوں کی بکھری ہوئی قوتوں کو مجتمع کرنے اور اسلام کی عظمت کے تحفظ کے لیے تحریک کا آغاز کیا۔ان کی تحریک کا مقصد معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کی بیخ کنی اور مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو از سرِ نو زندہ کرنا تھا۔شاہ ولی اللہؒ کی یہ تحریک ہندوستان میں پہلی عوامی تحریک تھی،ان کی دعوت نے مسلمانوں کے مردہ قلوب میں اسلام کی تڑپ کو بیدار کر دیا اور وہ متحد ہو کر سکھوں، جاٹوں، انگریزوں اور مرہٹوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔1857ء کی جنگِ آزادی شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی چلائی ہوئی تحریک کا ہی شاخسانہ تھی۔(فاؤنڈرز آف پاکستان، صفدر محمود، لاہور 1968 صفحہ 9)

- 1857 میں مغلیہ خاندان کے آخری تاجدار کو ہندوستان کے تخت سے محروم کر دیا گیا اور اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں سے نکل کر تاجِ برطانیہ کو منتقل ہو گیا

۔ہندوؤں نے غدر کی تمام ذمہ داری مسلمانوں کے سر تھوپ دی حالانکہ انگریز کے خلاف برپا ہونے والی اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ چند ہندو بھی شریک تھے۔(حالانکہ بعد میں افسانوی ہیرو کھڑے کر کے انگریز کے وفادار ہندوؤں کو بھی آزادی کا ہیرو بنا بنا کر ہندو پیش کرتے آرہے ہیں) نئے حکمرانوں کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں بدگمانیوں کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا کیونکہ انگریزوں نے ہندوستان کا اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا، ہندوؤں کا تو آقا ہی بدلا تھا مسلمانوں کی جگہ انگریز آگئے تھے۔ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب "دی انڈین مسلمان" کے صفحہ 3 پر برطانیہ کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ " ہندوستان کے مسلمان آج بھی ماضی کی طرح ہندوستان میں برطانوی حکومت کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔انگریز کے نزدیک مسلمانوں کی کڑی نگرانی انتہائی ضروری تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مسلمان کسی وقت بھی مزاحمت پر آمادہ ہو سکتے ہیں اور ان کے پاس اپنی نوزائیدہ حکومت کے فروغ اور استحکام کا ایک ہی راستہ تھا کہ مسلمانوں کو کمزور کر دیا جائے اور دوسری طرف ہندوؤں نے اجنبی

راج کو کھلے دل کے ساتھ خوش آمدید کہا تھا۔ رام گوپال لکھتے ہیں کہ ہندو ایک بے پایاں احساسِ مسرت کے ساتھ کاروبار مملکت میں شریک ہو گئے اور انگریز کو اپنا عظیم محسن گردانے لگے اور انہوں نے مسلمان کو دبانے کے لیے انگریز کا بھرپور ساتھ دیا (انڈین مسلم، اے پولیٹیکل ہسٹری صفحہ 16)

1818ء میں شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کی تحریک پر سید احمد شہیدؒ نے شاہ اسماعیل شہیدؒ کو ساتھ لے کر تحریکِ دعوت اصلاح و جہاد شروع کی۔ نومبر 1826 میں سیدین شہیدین نے تحریکِ جہاد شروع کی جس نے 1830 تک پشاور سے لے کر ہزارہ تک اسلامی حکومت قائم کی۔ 1819 میں کشمیر میں اعظم خان نے سکھوں کے خلاف تحریک شروع کی۔ مظفر آباد کشمیر کے حکمران زبردست خان نے 1827 سے سکھوں کی بربریت کے خلاف بغاوت شروع کر دی۔ سیدین شہیدین نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ تو مظفر آباد کے قریب بھی کچھ عرصہ رہے پھر 1837 میں زبردست خان نے سکھوں کے مقابلے میں اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر دیا۔ 6 مئی 1831 بروز جمعۃ المبارک سیدین شہیدین کی بالاکوٹ میں شہادت کے بعد بھی یہ تحریک زندہ رہی اور اس کے اثرات آج بھی قائم ہیں۔ اس تحریک کے مجاہدین نے کشمیر

سے متصل علاقے اسلام گڑھ کے آزاد علاقوں کو مرکز بنا کر ڈوگروں اور انگریز کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی، مسلسل انگریز کے خلاف لڑتے رہے۔ 1857ء کی تحریکِ آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا، کابل میں بننے والی جلاوطن حکومت کا اہم حصہ رہے۔ جاندار سفارت کاری کے ساتھ اس وقت کا میڈیا کا استعمال کرتے رہے۔ مولانا رحمت اللہ 1948ء میں جہادِ کشمیر میں وادی کی طرف مصروف رہے۔ مولانا فضل الہیٰ وزیر آبادی تحریکِ پاکستان میں نمایاں کردار ادا کرتے رہے پھر پونچھ میں جہادِ کشمیر میں شریک رہے۔ 1948 کی کشمیر جنگ میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔ تحریک سیدین شہیدین کے مجاہدین میدان عمل میں دشمن کو لوہے کے چنے چبواتے رہے، گریٹر بنگال سے لے کر قبائل اور صوبہ سرحد تک مضبوط نیٹ ورک سپلائی لائن بھی بحال رکھ کر "اشداء علی الکفار اور بنیان مرصوص" کا عملی نمونہ پیش کرتے رہے۔ قید و بند کی صعوبتوں، سختیوں کو سنت یوسفی سمجھتے رہے، پھانسی کے پھندوں کو جنت کی معراج جانتے رہے، آہنی زنجیر و سلاسل کو لباس زینت سمجھ کر پہنتے رہے۔ جلاوطنی و ہجرت کو "سنت ابراہیمی و سنت موسی کلیم اللہ و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے رہے اور جب قیام پاکستان کی تحریک چلی تو اسے سیدین شہیدین کی برپا کردہ مقدس جہادی تحریک کا تمتہ اور ماحاصل سمجھ کر گریٹر

بنگال، ہندوستان، مسلم ریاستوں، سلہٹ، قبائل اور صوبہ سرحد میں کمربستہ ہو گئے۔ تحریک پاکستان میں بھی اس تحریک کے لوگوں نے جاندار کردار ادا کیا اور انگریز سے عسکری میدان میں اپنا لوہا بھی منوایا۔ 1965 کی جنگ کے دوران کسی نے جنرل ایوب خان سے پوچھا کہ آپ کے آئیڈیل جرنیل کون ہیں ؟ انہوں نے برجستہ جواب دیا کہ میرے محبوب جرنیل سید اسماعیل شہیدؒ ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ اگر مولانا اسماعیل شہیدؒ کے پائے کا ایک اور مولوی پیدا ہو جاتا تو آج ہندوستان کے مسلمان اس ذلت کی زندگی میں نہ ہوتے۔ (تاریخِ اہلحدیث، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، لاہور، صفحہ 469)۔

4 مئی 1799 کو ٹیپو سلطان شہیدؒ کی شہادت کے بعد بالاکوٹ میں 6 مئی 1831 جمعۃ المبارک کے دن سیدین شہیدین کی شہادت آزاد اسلامی حکومت کی راہ میں یہ دوسرا خونِ شہادت تھا جو مغلوں کے زوال کے بعد مسلمانوں نے پیش کیا جو بڑا قیمتی اور پاک خون تھا ۔سیدین شہیدین کی یہ کوشش کہ شمالی علاقوں میں مسلم اکثریتی سرزمین میں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کی از سرِ نو داغ بیل ڈالی جائے در حقیقت "پاکستان" کی تحریکِ اول قرار دی جاسکتی ہے۔ سکھوں کے بعد سید احمد شہیدؒ کے ساتھی انگریزوں سے بھی ٹکراتے

رہے۔ صادق پور پٹنہ بنگال کے مرکز سے متواتر محفوظ طریقے سے میدانِ جہاد موجودہ "کے پی کے" کے علاقوں وغیرہ میں افرادی، مالی قوت بھی پہنچاتے رہے جسے انگریز اپنے تمام حربوں کے باوجود بھی روک نہ سکا۔ اسی قافلہ سخت جان میں سے مولانا احمد اللہ خانؒ، مولانا یحییٰ علیؒ، مولانا عبدالرحیمؒ، مولانا جعفر تھانیسریؒ اور شیر علی خانؒ وغیرہ نے کالے پانی جزائر انڈومان کے قید خانوں میں انمٹ نقوش چھوڑے۔ خاندان صادق پور کی قربانیوں کے اعتراف میں ہندوستانی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اس خاندان کے ورثاء مولانا عبدالخبیر کے پاس بڑی بڑی مراعات لے کر گئے تھے جنہیں اس عظیم گھرانے نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نہرو نے کہا تھا کہ سارے ہندوستان کی قربانیاں ایک طرف دوسری طرف صرف آپ کے خاندان کی قربانیاں رکھی جائیں تو جو پلڑا بھاری ہوگا وہ آپ کے خاندان کی قربانیوں والا ہوگا۔ سیدین شہیدین کے نمائندے مولانا محمد علی مرحوم رام پوری کو انگریز نے صوبہ آسام اور سلہٹ سے جلاوطن کر دیا تھا۔

- 1843ء علمائے صادق پور مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی اور ان کے خاندان نے سیدین کی شہادت کے بعد خوب جانشینی کی۔ زندانوں، کالے پانیوں

کو بھی آباد کیا، خاندانی جائیدادیں بھی ضبط کروائیں مگر میدانِ جہاد کی قیادت کے ساتھ ساتھ قیامِ پاکستان تک مال وافراد جہاد کے لیے مسلسل پہنچاتے رہے۔

- لاہور مسجد چینیانوالی بھی مجاہدین کا مرکز رہی۔
- 1842ء میں لارڈ ایلن بارو نے ڈیوک آف ولنگسٹن کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ مسلمان بنیادی طور پر انگریزوں کے دشمن ہیں اور حکومت کے ساتھ ان کی معاندت پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔(سیاستِ ملیہ، امین زبیری، آگرہ، 1941، صفحہ 5)
- 1846ء میں 16 مارچ بمطابق 17 ربیع الاول 1262ھ کو بیعہ نامہ امرتسر کے ذریعے جموں کشمیر کو انگریزوں نے اپنے وفادار گلاب سنگھ کو 75 لاکھ نانک شاہی سکوں کے عوض فروخت کردیا۔ گلاب سنگھ نے انگریز کو 50 لاکھ نانک شاہی سکے ہی دیئے۔ امرتسر کے تاجروں سے جو رقم ادھار لی تھی ان کو بھی اس رقم کے عوض سرینگر میں ایک مارکیٹ (بڑا تجارتی مرکز کاروان سرائے) تعمیر کردی۔

- 1846ء اپریل میں مولانا عنایت علیؒ کی قیادت میں مظفر آباد کے پڑوس میں اسلامی حکومت قائم کی گئی۔ مولانا عنایت علیؒ نے جنگِ آزادی 1857ء میں مختلف جگہوں پر مختلف لوگوں کی ذمہ داریاں لگا کر جنگِ آزادی کو قوت بخشی۔ ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر کے بقول اس جہاد میں مسلمانوں کے جہادی (وہابی) ایک لاکھ لوگ شہید ہوئے۔
- 1850ء میں مدرسہ رحیمیہ دہلی اور اس کے شیخ الحدیث مولانا سید نذیر حسین دہلوی صاحبؒ کی عظیم علمی، اصلاحی اور جہادی خدمات۔
- 1857 میں انگریز کی بڑھتی ہوئی مسلم دشمنی، ہندو نوازی اور کچھ دیگر وجوہات کی بناء پر جنگِ آزادی لڑی گئی (20 اپریل 1858 کو انگریز حکومت نے اعلان نمبر 580 جاری کیا کہ جو مولانا احمد اللہ شاہؒ کو زندہ یا مردہ گرفتار کروائے گا اس 50 ہزار روپے کا انعام دیا جائے گا۔ پاون کے راجہ جگن ناتھ اور اس کے بھائی کے ہاتھوں شہادت مولانا احمد اللہؒ کی کے بعد انگریز نے کہا کہ شمالی ہندوستان میں انگریزوں کا سب سے بڑا دشمن ختم ہو گیا جس سے انگریزوں نے سکھ کا سانس لیا

اور لندن میں چراغاں ہوا۔ (پاکستان میری محبت، صفحہ 209، ڈاکٹر صفدر محمود)

گو کہ اس تحریک میں کچھ ہندو بھی شامل تھے مگر جب انگریز غالب آ گئے تو تمام الزام مسلمانوں پر آ گیا۔ مسلمانوں پر ظلم و ستم کے نئے باب رقم کیے گئے۔

ہندوؤں نے تو آقا ہی بدلا تھا مسلمان کی جگہ انگریز کو مان لیا۔ انگریز مسلمانوں کی تاریخ سے بخوبی واقف تھا کہ مسلمان چین سے نہیں بیٹھیں گے اور واقعی مسلمانوں نے برِصغیر میں انگریز کے خلاف تحریکِ آزادی جاری رکھی اور آزاد حکومت کے لیے کوشاں رہے۔ بغاوت کے مقام، حدت، شدت و اتار چڑھاؤ اور انداز میں تبدیلیاں آتی رہیں مگر قیامِ پاکستان تک مسلسل تحریکِ آزادی جاری رہی۔

- 1857ء کی جنگ آزادی میں بہتر منصوبہ بندی کی کمی، اپنوں کی بزدلی کی وجہ سے لال قلعہ تک محدود مغل بادشاہت کا خاتمہ ہو گیا۔
- 1857ء جنرل بخت خان کی قیادت، علماء کرام سے جہاد کا فتویٰ اور جنگِ آزادی میں سنہرا کردار۔

- انگریز نے 1857ء کی جنگ آزادی کے الزام میں مسلمانوں کا جینا مشکل ترین بنا دیا تھا۔ مسلمانوں کی املاک، جائیداد، عہدے، نوکریاں اور کاروبار ختم کر دیئے گئے۔
- 1857ء کی جنگِ آزادی کے جرم میں ڈاکٹر تاراچند کے بقول مسلمان کے فرقہ اہل حدیث نے پانچ لاکھ مسلمانوں کی قربانی دی۔
- 1857 کے بعد تحریک علی گڑھ سر سید احمد خان نے شروع کر کے مسلمانوں کے لیے عظیم خدمات سرانجام دیں۔انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ زندگی کے جدید رویوں کے خلاف جھوٹے تعصبات، زنجیریں توڑ دیں۔ سر سید کی چشم دوربین نے دیکھ لیا تھا کہ توہمات کی قدیم دنیا دم توڑ رہی ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کا عہدِ نو اس کی جگہ لے رہا۔(این آٹو بائیو گرافیکل سکیچ آف محمد علی، صفحہ 73، محمد سرور)
- 1857ء میں سر سید نے علی گڑھ میں ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی جو دو سال بعد کالج بن گیا پھر اس نے علی گڑھ یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔

- 1857 معرکہ شاملی میں علماء کرام کا کردار بہت جاندار اور سنہری رہا۔
- جنگِ آزادی میں غیر مسلموں نے بھی کام کیا لیکن مسلمان عالموں اور غازیوں کی ایک جماعت بہت پیش پیش رہی۔ دوسرے کارکنوں کو انگریزوں کے خلاف ذاتی رنجشیں تھیں۔ نانا صاحب کو اس بات پر ناراضگی تھی کہ باجی راؤثانی کی پوری پنشن اسے نہ ملی۔ جھانسی کی رانی اس بات پر ناراض تھی کہ اس کی ریاست انگریزوں نے ضبط کرلی تھی۔ برجیس قدر اور حضرت محل کو سلطنت اودھ لینے کی آرزو تھی ۔ لیکن مسلمان عالموں اور مجاہدوں کے سامنے اس کے سوا کوئی غرض نہ تھی کہ یہاں آزاد اسلامی حکومت کا نقشہ پھر سے قائم ہو جائے۔ مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا یحییٰ علی، نواب صدیق الحسن، مولانا عبدالکریم ، مولانا احمد شاہ مدراسی ، مولانا فضل حق خیر آبادی ، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتی عنایت احمد کاکوری، مفتی مظہر کریم دریاآبادی، جنرل بخت خان اور بیسیوں دوسرے حضرات نے اس جہاد میں کامل بے غرضی سے کام کیا۔ تقدیر نے ساتھ نہ

دیا بعض شہید ہو گئے، بعض کی زندگیاں کالے پانی میں سر ہوئیں یا سزا بھگت کر واپس آئے۔اس معرکے میں بھی سیدین شہیدین کے ساتھیوں نے ہندوستان کے اندر اور باہر جانفشانیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔(مختصر تاریخِ پاک وہند، مولانا غلام رسول مہر، صفحہ 425)

- نواب صدیق الحسن کی عظیم دینی و ملی خدمات۔
- 1818ء سے 1947ء تک ریاست بھوپال کی ملی و دینی خدمات خصوصاً خواتین حکمرانوں کی۔
- 1853ء 21 نومبر تا 18 جون 1858ء لکشمی بائی (جھانسی کی رانی) کی جنگِ آزادی و انگریز کے خلاف مسلمانوں کی مدد سے خدمات۔
- 1800ء تا 1862ء بنگال میں تیتو میر، حاجی شریعت اللہ، مولانا عنایت علی اور دودھو میاں نے بھی مسلمانوں کے لیے عظیم کردار ادا کیا۔
- 1862ء تا 29 نومبر 1902ء تقریباً 40 سال تک مجاہدین کے امیر مولانا عبداللہ ولد مولانا ولایت علی صادق پوری کی قیادت میں انگریز کے خلاف

مجاہدین کے عظیم کارنامے۔ شہزادہ فیروز شاہ بھی 1868ء میں مجاہدین کے پاس پہنچتے تھے۔

- 1863ء مولانا عبداللہ کی قیادت میں انگریز کے خلاف "جنگِ امبیلہ" میں انگریز کی خوب درگت بنی اور جگ ہنسائی ہوئی۔ انگریز نے مجاہدین، انکے گھرانوں اور ان کے ہمدردوں پر ظلم و بربریت سے اپنی جنگِ امبیلہ میں رسوائی کا بدلہ لیا یعنی میدانِ جنگ میں پٹنے کا بدلہ نہتے لوگوں سے قبائل اور پورے ہندوستان میں لیا۔
- 1845ء میں سندھ میں مدرسۃالاسلام کا آغاز کیا گیا۔
- 1866ء30 مئی کو دارالعلوم دیوبند کا افتتاح ہوا۔
- نواب محسن ملک نے اردو کے تحفظ و مسلمانوں کے لیے بہترین کردار ادا کیا۔
- 1867ء میں ہندوؤں نے اردو زبان کی خلاف شدت سے تحریک شروع کی۔ اس تحریک کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے تقسیم کرنا تھا۔ سر سید یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک قوم کے طور پر اکٹھے رہنا مشکل ہو گا، ناممکن ہو گا۔ (الطاف حسین حالی، صفحہ 194)

- 1800 میں فورٹ ولیم کالج سے اُردو زبان کے خلاف کام شروع ہوا۔ 1833 میں 700 سالہ پرانا تعلیمی نظام انگریز نے ایک ہی رات میں ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے ختم کر دیا۔ 1867 کو ہندی اُردو تنازعہ کا سال قرار دیا گیا۔ 1867 میں ہندوؤں نے اردو کو دیونا گری رسم الخط اور سنسکرت کے لفظوں کی بھرمار سے ہندی بنانے کی تحریک شروع کر دی تھی۔
- 1875ء میں ہندوؤں کی جماعت آریہ سماج قائم ہوئی۔
- 1882ء میں بنکم چندر چٹر جی نے آنند مٹھ کے نام سے ناول لکھا اور اس میں بندے ماترم نامی مسلم مخالف گیت بھی تھا۔
- 1884ء 24 ستمبر کو انجمن حمایتِ اسلام اندرونِ موچی دروازہ میں ایک مسجد میں قائم کی گئی۔
- 1885ء 28 دسمبر کو انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی گئی۔ سر سید نے مسلمانوں کو اس سے الگ رہنے کی تلقین کی۔

- 1893ء میں سر سید احمد خان نے محمڈن اینگلو اورینٹل ڈیفنس ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھی۔
- 1900ء میں قائدِ اعظم نے ممبئی میں بطور جج خدمات سرانجام دیں۔
- 1900ء میں نواب محسن الملک (1837تا1907) نے اردو کی حمایت میں منعقد ہونے والے ایک اجلاس میں مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کی ضرورت پر زور دیا اور 1901ء میں وقار الملک نے بھی انہیں خیالات کا اظہار کیا۔
- 1905ء میں انگریز نے انتظامی وجوہات کی بناء پر بنگال کو تقسیم کیا۔ مسلمانوں کو اس کا فائدہ ہوا۔ ہندوؤں کو لگا یہ مسلم سٹیٹ کی طرف قدم ہے اس پر ہندوؤں نے پر تشدد مظاہرے شروع کیے۔ تقسیمِ بنگال کی بھرپور مخالفت کی۔

ہندوؤں کو جب اندازہ ہوا کہ اس تقسیمِ بنگال سے مسلمانوں کو فائدہ ہوگا اور مسلمان اپنے حقوق لے کر آزاد مسلم حکومت کے قیام کی طرف بڑھیں گے۔ بس پھر کیا تھا ہندوؤں نے تقسیمِ بنگال کے خلاف ہڑتالیں اور مظاہرے شروع کر دیئے، وائسرائے پر بم تک برسائے گئے۔ حتیٰ کہ یہ ہڑتالیں اور مظاہرے چھ سال تک جاری رہے۔ 1905 میں

رابندر ناتھ ٹیگور نے تقسیمِ بنگال پر ایک نظم لکھی جو مسلمانوں کے خلاف تھی۔ ٹیگور عملی سیاست میں آ گئے، تقسیمِ بنگال کی مذمت میں ترانے لکھے، ہڑتالیں کروائیں۔ احتجاجی جلوسوں کی قیادت کی اور رکھشا بندھن کی خالص مذہبی ہندوانہ رسومات کو پہلی مرتبہ سیاسی رنگ دیا۔ اروبند گھوش نے اپنے اخبار کا نام بنکم چندر چٹرجی کے ناول "آنند مٹھ" سے "بندے ماترم" کے مسلمان دشمن ترانے سے لیا اور 1906 میں اس نے "بندے ماترم" کے نام سے انتہا پسندانہ ہفتہ وار اخبار شائع کرنا شروع کیا۔ اخبار بندے ماترم نے رام کرشن، ویویکانند اور بنکم چٹرجی کے جارحانہ تصورات کو ہندو قوم پرستی کی انتہا پسند تحریک کی فکری اساس بنایا تو اس جارحیت کا رخ مسلمانوں کی طرف پھرنے لگا۔ شکتی کی منظم قوت سے ہندوستان میں "آریہ ورت" قائم کرنے کا تصور عام ہونے لگا۔ شکتی کے تصور کی خالص شکتی اور ملیچھ شکتی میں تقسیم ہوئی تو بقول لیونارڈ، آر گورڈن مسلمانوں کو ملیچھ شکتی (ناپاک قوت) قرار دے کر ہندوستانی قومیت کے دائرے سے خارج قرار دیا گیا۔

- ریاست محمود آباد کی مسلم لیگ، مسلم اداروں، مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن، مسلم اخبارات، تحریکِ پاکستان اور قائدا عظمؒ اور لندن میں مسلم ادارے "اسلامک کلچر سنٹر" کے قیام کے لیے شاندار کردار اور مالی تعاون۔
- 1906ء میں مسلمانوں کا 35 رکنی وفد ہندوستان کے وائسرائے لارڈ منٹو سے شملہ میں ملا۔ وائسرائے سے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا اور یہ کہ وہ ہندو مذہب، ثقافت اور دیگر عوامل کی بناء پر ہندوؤں سے علیحدہ قوم ہیں۔ وائسرائے نے فریق مخالف کے خوف سے مسلمانوں سے کوئی قابلِ ذکر وعدہ تو نہ کیا مگر اس نے وفد کو یقین دلایا کہ مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے انتظامی تنظیمِ نو کی جائے گی۔ (انڈیا، منٹو اینڈ مارلے میری کاؤنٹس آف منٹو، لندن 1910، صفحہ 45)
- 30:1906 دسمبر کو ڈھاکہ میں نواب وقار الملک کی صدارت میں ہندوستان بھر سے اکٹھے ہونے والے مسلمانوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے نام سے سیاسی تنظیم تشکیل دی۔ (اے ہسٹری آف فریڈم موومنٹ، صفحہ 37)

- 1906ء مولانا ثناء اللہ امرتسری اور علامہ میر سیالکوٹی مسلم لیگ کے تاسیسی دور میں ہی کانگریس کو خیر آباد کہہ کر مسلم لیگ میں شامل ہو کر مسلم لیگ کے بڑے بڑے جلسوں سے خطاب کے ساتھ ساتھ اہم ترین پالیسی اجلاسوں میں بھی شریک ہوئے۔
- 1907: نومبر 29 کو کراچی میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ کا آئین منظور کیا گیا جس میں جماعتی مقاصد از سرِ نو تشکیل دیئے گئے۔
- 1908: 18 مارچ کو علی گڑھ میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا۔ (اے ہسٹری آف فریڈم موومنٹ، صفحہ 38)
- 1908ء میں مسلم لیگ لندن شاخ کا قیام عمل میں آیا۔
- 1909ء میں منٹو مارلے اصلاحات یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔
- 1910ء میں قائدِ اعظمؒ ممبئی میں مسلمانوں کے مخصوص حلقے سے مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

- ہندوؤں کے مسلسل پریشر کی وجہ سے 1911 میں 11 دسمبر کو انگریز نے تقسیمِ بنگال کا فیصلہ واپس لے لیا۔ مسلمانوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں، خوش قسمتی سے اب انہیں مسلم لیگ کا پلیٹ فارم بھی میسر آ گیا تھا۔
- 1913ء میں قائداعظمؒ کی مسلم لیگ میں شمولیت۔
- 1914ء تا 1918ء جنگِ عظیم اول۔
- 1915ء میں ہندو مہاسبھا پنڈت مدہن موہن نے قائم کی۔
- برلن جرمنی میں اور جاپان کی مدد سے بھی ہندوستان کے لیے آزاد حکومتیں قائم ہوئیں تھیں۔
- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ عبدالرحیم سندھی (اچاپہ کرپلانی کے بڑے بھائی) کی تحریکِ آزادی میں عظیم خدمات۔ (سرگذشت مجاہدین، مولانا غلام رسول مہر، صفحہ 533)
- امیر المجاہدین مولانا محمد بشیرؒ کی انگریز کے خلاف ملتِ اسلامیہ کے لیے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے خدمات۔

- 1915ء مارچ میں مولانا محمد علی قصوری افغانستان کو برطانوی استعمار سے بچانے کے لیے کابل گئے۔
- 1915ء یکم دسمبر ہندوستان کی جلاوطن حکومت کا (کابل میں) قیام، صدر راجہ مہندر پرتاب بنائے گئے۔ مولانا برکت علی بھوپالی وزیر اعظم، مولانا عبید اللہ سندھی وزیر داخلہ، مولانا محمد علی قصوری وزارت خارجہ، مولانا محمد بشیر کو وزارت دفاع پر مامور کرنے کے علاوہ یاغستان سے لشکر تیار کرنے کا ذمہ دار بنایا گیا۔ اس حکومت نے چائنہ، روس، جاپان، جرمنی، ترکی وغیرہ کے ساتھ رابطے قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ کہ عارضی حکومت افغانستان سے معاہدہ کر کے امیر حبیب اللہ کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دے۔ (سرگذشت مجاہدین، صفحہ 492، مولانا غلام رسول مہر)
- 1916ء میں مولانا محمد علی اور مولانا محمد بشیر نے یاغستانی قبائل کو امیر حبیب اللہ خان سے وابستہ کر کے اس اجتماعی قوت سے ہندوستان پر حملہ کروانا چاہا۔ (مشاہدات، کابل و یاغستان، صفحہ 11، مولانا محمد علی قصوری)

- 1916ء میں قائداعظمؒ کی کوششوں سے مسلم لیگ اور کانگریس میں میثاقِ لکھنو ہوا۔ میثاقِ لکھنؤ میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا اصول تسلیم کر لیا اور سینٹرل کونسل میں ایک تہائی نشستیں مسلمانوں کے لیے منتخب کر دیں۔ قائداعظمؒ کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا گیا۔
- 1919ء مانٹیگو جیمسفورڈ اصلاحات گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں مسلم لیگ اور کانگریس کے مطالبات کو نظر انداز کر دیا۔
- 1919ء میں قائداعظم نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں بلوں کے خلاف زبردست تقریر کی اور بلوں پر احتجاج کرتے ہوئے کونسل سے استعفیٰ دے دیا۔
- 1919ء 13 اپریل کو سانحہ جلیانوالا باغ پیش آیا، جنرل ڈائر نے قتل عام کیا جس میں 1516 افراد ہلاک ہوئے۔ (پاکستان کے 20 سال، وزارتِ اطلاعات حکومتِ پاکستان 1967، صفحہ 20)

- 1919ء میں والدہ محترمہ علی برادران بی اماں اور ان کے بیٹوں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جوہر کی اسلام اور ملتِ اسلامیہ ہندوستان کے لیے عظیم خدمات۔
- 1919ء میں تحریکِ خلافت شروع ہوئی۔ 1919ء میں مسلمانوں نے تحریک خلافت کی قیادت گاندھی کے حوالے کر دی مگر گاندھی اور کانگریس نے مخلص مسلمانوں کے اخلاص کا ناجائز فائدہ اٹھا کر مسلم لیگ کو کمزور کیا۔ گاندھی کہتے تھے کہ مسلمانوں کی جدوجہد خلافت کے لیے اور ہندوؤں کی گائے کے لیے تھی۔
- 1920ء 20 جولائی کو انگریز کے خلاف مسلمانوں کا "ترکِ موالات" کا فتوی و تحریک۔
- 1920ء میں ہی افغانستان کی طرف تحریک ہجرت شروع ہوئی مگر درست تیاری نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا نقصان ہوا۔
- 1920ء 29 اکتوبر جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

- 1920ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک بڑا جلسہ امرتسر میں حکیم اجمل خان کی صدارت میں منعقد ہوا۔اس جلسے میں قائداعظمؒ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔اس اہم ترین جلسے کی مجلس استقبالیہ کے صدر مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ تھے۔
- 1920ء میں قائداعظمؒ کی ہوم رول لیگ اور کانگریس سے علیحدگی۔
- 1921ء میں علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا۔
- 1921ء جولائی میں مسلمانوں نے ملہ (ڈھاکہ) یونیورسٹی بھی ہندوؤں کی شدید ترین مخالفت کے باوجود منظور کروالی ساتھ ہی اردو کے دفاع کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھیں۔
- 1921ء جولائی میں سودیشی تحریک شروع ہوئی۔
- 1921ء میں موپلا بغاوت ہوئی۔
- 1921ء 17 نومبر کو پرنس آف ویلز ہندوستان کے دورے پر آئے تو یہاں مکمل ہڑتال کی گئی۔

- امیر المجاہدین مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی نے قائدِ اعظم کو مشورہ دیا کہ آپ کی آواز میں طاقت ہے لوگ آپ کے پیچھے ہیں آپ حقوق کی بات نہ کریں بلکہ علیحدہ ریاست کی بات کریں۔ علیحدہ ریاست حاصل کریں چاہے وہ چارپائی کے برابر ہو، اس پر آپ حکومت کریں، سرحدوں کی نگرانی پر ہمیں چھوڑ دیں، چوکیداری کریں گے باڈر پر پہرہ ہم دیں گے، دشمن سے مقابلہ ہم کریں گے اور دشمن اگر غالب آگیا تو ناکامی ہماری ہو گی آپ کی نہیں ہو گی۔ آپ علیحدہ ریاست کی بات کریں۔ (مولانا عبداللہ ناصر رحمانی)
- 1921ء نومبر میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی۔
- 1923ء میں تحریکِ خلافت گاندھی کی تنگ نظری کی وجہ سے ختم ہوئی اور تحریکِ خلافت کی کچھ کمیٹیاں کانگریس میں ضم کر لیں گئیں۔
- 1924 میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ ہندوؤں نے شدھی کی تحریکیں شروع کر دیں۔
- 1925ء 27 دسمبر کو ناگپور مہاراشٹر میں آر ایس ایس کا قیام عمل میں آیا۔

- 1927ءدہلی مسلم تجاویز قائدا عظمؒ کی مصالحت کی ایک اور کوشش۔
- 1928ءسائمن کمیشن۔
- 1928ءدسمبر میں مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود نہرو رپورٹ آئی جو مسلمانوں کے سراسر خلاف تھی۔ نہرو رپورٹ میں کانگریس کے مسلم دشمنی پر مبنی نقطہ نظر کی ترجمانی کی گئی۔ جس نے میثاقِ لکھنؤ، دہلی مسلم تجاویز کی نہ صرف روح کو مجروح کیا بلکہ ہندتوا کا اصل چہرہ سامنے کھول کر رکھ دیا۔ قائدا عظمؒ نے اسے راستے الگ ہونے کی دستاویز قرار دیا۔ (اے شارٹ ہسٹری آف پاکستان، جلد چہارم، صفحہ 202)

نہرو رپورٹ کی وجہ سے مولانا محمد علی نے کانگریس کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ دیا۔ نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کو قومی سطح پر کسی حد تک متحد کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں اور ہندوؤں کی راہیں بھی متعین کر دیں۔

- 1929 میں قائدا عظمؒ نے چودہ نکات پیش کیے۔

- 1929ء29دسمبر کو مجلس احرارِ ہند قائم ہوئی۔صدر سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ اور جنرل سیکرٹری مولانا سید داؤد غزنوی مقرر ہوئے۔
- 29-1928آل پارٹیز مسلم کانفرنس۔
- 1930ء29دسمبر علامہ اقبالؒ(9نومبر1877تا21اپریل1938)نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں خطبہ الہ آباد میں ہندوستان کی تقسیم اور آزاد اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا،مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی اس اجلاس میں بھی موجود تھے۔
- مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ(1868تا1948)کی تحریکی وملی خدمات۔جمعیت علمائے اسلام،آل انڈیا مسلم لیگ۔
- 1930ءتا1932ءگول میز کانفرنس لندن(تین اجلاس)حکومتِ برطانیہ کی طرف سے کسی متفقہ آئینی حل پر پہنچنے کی ایک کوشش۔
- 13جولائی1931ء"یومِ شہدائے کشمیر"۔

- شہدائے کشمیر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے یہ ترانہ مولانا عبدالمجید سالک نے اپنے روزنامہ "انقلاب" میں لکھا،

"تم ہی سے اے مجاہد و جہاں کا ثبات ہے"

- 1931ء14 اگست کو علامہ اقبال نے تحریک کشمیر لاہور سے شروع کی۔
- 1932ء16 اگست کو برطانوی حکومت نے "کمونل ایوارڈ" کا اعلان کیا۔اس ایوارڈ کے تحت ہندوستان کی مختلف مذہبی اقلیتوں (مسلم، سکھ، عیسائی) کے ساتھ ساتھ مظلوم طبقات کے لیے بھی جداگانہ انتخابی حلقے مخصوص کیے گئے۔
- 1932ء24 ستمبر کو گاندھی اور ڈاکٹر امبیڈکر کے درمیان پونا پیکٹ ہوا۔

گاندھی نے کمیونل ایوارڈ میں دلتوں اور پچھڑی جاتی کے ہندوؤں کو ملنے والے فائدے کے خلاف بھوک ہڑتال کردی تھی۔امبیڈکر پر پورے ہندوستان سے پریشر پڑا کہ گاندھی کو بچاؤ اور گاندھی نے خود بھی کہا کہ مجھے بچاؤ، بس پھر امبیڈکر نے پونا پیکٹ کر کے گاندھی کو تو بچالیا مگر اپنی قوم کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔اس پیکٹ کی وجہ سے ہی ہندو امبیڈکر کو عزت دیتے ہیں مگر بعد میں امبیڈکر اس

معاہدے پر پریشان ہوئے اور خود بدھ مت قبول کر لیا اور اپنی قوم کو برہمنوں کو رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔

- 1934ء مارچ میں منعقد ہونے والے مسلم لیگ کے گروپوں کے مشترکہ اجلاس میں قائدا عظمؒ کو پارٹی کا صدر چن لیا گیا۔ قائدا عظمؒ نے ملک کے مختلف حصوں کے دورے کر کے اپنی بہترین صلاحیتیں وقف کر کے مسلم لیگ کو مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔
- مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی (1854تا1991) نے کلکتہ کے ایک جلسے میں پاکستان کا مطلب کیا! لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نعرہ لگایا۔
- 1935ء گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔
- 1935ء قائدا عظمؒ نے مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کا آغاز کیا۔
- پیر جماعت علی شاہؒ (1883تا1951) کی تحریکِ پاکستان و قائدا عظم کے لیے عظیم خدمات۔

- 1936ء میں 21 جون کو علامہ اقبالؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو کے نام خط لکھا کہ "احمدی" اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔
- 1937ء فروری کے الیکشن میں مسلم لیگ کی ناکامی، ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے ہندو اکثریتی سات میں کانگریس حکومتیں قائم ہوئیں۔ آسام اور سندھ میں مسلم لیگ کے ساتھ مخلوط حکومتیں بنائیں۔ صرف پنجاب اور بنگال ایسے دو صوبے تھے جہاں کانگریس اقتدار میں نہ آسکی۔ کانگریس کے اڑھائی سالہ دور اقتدار کے تلخ تجربات نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں اور ہندوؤں کے عزائم ان پر پوری طرح آشکار ہوگئے۔ کانگریس نے صوبائی وزارتوں میں مسلم لیگ کو اس کا جائز حصہ نہ دیا۔ کانگریس نے مسلم لیگ کے نامزد اراکین کی بجائے ایسے آزاد مسلمان اراکین کو ترجیح دی جو کانگریس کے مفادات کے لیے کام کرسکیں۔ ہندوؤں نے رام راج کی طرف قدم سمجھ کر مسلمانوں پر ظلم وجبر کی انتہا کردی۔ واردھا سکیم، ودیا مندر جیسی مسلم دشمن سکیمیں شروع کردیں تاکہ متحدہ قومیت

کے نام پر نصاب تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کو ہندوں کے نمک کی کان میں تحلیل کیا جاسکے۔

- 1937ء آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن راجہ محمود آباد کی صدارت میں بنی اور اس نے علامہ اقبال کے مشورے پر آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ اپنے آئین میں شامل کرلیا۔
- 1937-38 کانگریسی حکومت کے خلاف عوامی تحریک۔
- 15 اکتوبر 1937 میں قائدِ اعظمؒ نے لکھنؤ میں مسلم لیگ کے پچیسویں سالانہ اجلاس میں فرمایا! ہندوؤں سے صبر نہ ہو سکا۔ معمولی سے اختیارات ملے مگر انہوں نے وہ انداز اختیار کرلیا گویا کہ سچ مچ "رام راج" آگیا ہو۔ ایک اور موقع پر فرمایا کہ اے ہندوؤ ہم آپ کے مشکور ہیں کہ آپ نے ہمیں بیدار کر دیا۔ آپ صبر سے کام لیتے، انگریز چلا جاتا پھر جیسے جی چاہتا ہماری درگت بنادیتے مگر آپ نے بتلادیا کہ انگریز کے ساتھ ساتھ ہمیں آپ سے بھی آزادی لینی ہے۔ اب ہم دونوں سے آزادی لے کر رہیں گے۔ اس اجلاس میں تاریخی فیصلے کیے گئے۔ مسلم

لیگ کی تشکیلِ نو، مسلم لیگ کا نیا آئین، خود مختار ایک وفاقی ریاست یا ایسی آزاد ریاستیں جن میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہوں۔ یہ اجلاس اب تک کے مسلمانوں کے تمام اجلاسوں سے زیادہ نمائندہ اجلاس تھا۔ مسلمان اس عظیم الشان جدوجہد کے لیے تیار ہو گئے تھے جس کا ثمرانہیں آخرکار قیامِ پاکستان کی شکل میں ملا۔ اس اجلاس پر پیسہ اخبار نے لکھا کہ مسلم لیگ اب ایک حریت پسند جماعت بن چکی ہے اور اس نے مادرِ وطن کی آزادی اور مسلمانوں کے حقوق کا عزم کر لیا ہے۔ (ہفت روزہ پیسہ، 18نومبر 1937،)دی سول ملٹری گزٹ 15اکتوبر 1937)

- 1938ء اپریل میں قائدِ اعظمؒ نے کلکتہ اجلاس، لکھنؤ کے اجتماع اور پھر اسی سال دسمبر میں بمقام پٹنہ کے اجلاسوں میں "بندے ماترم" کے ایک طرح سے قومی گیت بنا دیئے جانے پر کانگریسی ہائی کمانڈ سے شدید الفاظ میں احتجاج کیا اور فرمایا کہ ہندو کانگریس نے بے صبری کے باعث قبل از وقت ہم پر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ہندوستان فقط ہندوؤں کا ہے اور 'سوراج' سے مراد ہندو راج ہے۔ ان کی خواہش

ہے کہ مسلمان بچے ہر صورت بندے ماترم کو اپنے قومی گیت کے طور پر تسلیم کرلیں چاہے ان کا مذہب اس کی اجازت دے یا نہ دے۔ یہ بت پرستی بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ یہ گیت مسلمانوں کے لیے نفرت کا ترانہ ہے۔ کانگریس کے رویے سے متحدہ قومیت کے ہوائی نعروں کا غبارہ بڑی جلدی پھٹ گیا ہے۔

- 1938 میں سندھ مسلم لیگ نے قرارداد منظور کی کہ ہندوؤں کی فرقہ وارانہ ذہنیت اور مسلم کش پالیسی کے باعث ہندوؤں سے کسی نیکی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ مسلمانوں کے ہندوؤں سے جو اختلافات ہیں اس کا اصل منبع دین ،زبان، رسم الخط، ثقافت، معاشرتی قوانین اور زندگی کے بارے میں اندازِ فکر ہے۔
- 1939ء اکتوبر میں کانگریسی وزارتیں حکومت سے اختلافات اور عوامی پریشر کی وجہ سے مستعفی ہوگئیں۔
- 1939ء 22 دسمبر کو قائدِاعظم کی اپیل پر مسلمانوں نے یومِ نجات منایا۔

- مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی نے پریس کانفرنس میں کانگریسی علماء سے پانچ سوالات کیے جن میں پاکستان کے حصول کے دلائل اور تقسیمِ ملک کے مقاصد بیان کیے اور چیلنج کیا کہ ان سوالات کے جوابات اگر یہ لوگ دے دیں تو میں مسلم لیگ کی حمایت ترک کردوں گا لیکن کانگریسی علماء ان کے دندان شکن سوالات کا جواب نہ دے سکے۔
- 1940ء میں 23 مارچ کو قراردادِ پاکستان اور قراردادِ فلسطین لاہور میں منظور کی گئیں۔
- 1940ء 23 مارچ کو قراردادِ لاہور (پاکستان) منظور ہوئی تو پھر مطلوبہ ریاست کے نقشے بنائے گئے۔ کشمیر، سرحد، پنجاب، سندھ، بلوچستان اور بنگال و آسام اس نقشے میں دکھائے گئے۔ اس نقشے کے بیج لگائے گئے۔
- 1940ء 23 مارچ کو مسلم لیگ کے مینارِ پاکستان جلسے میں سٹیج پر حافظ محمد گوندلوی، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا فضل الہٰی وزیر آبادی بھی موجود تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری اپنی بیماری کی وجہ سے جلسے میں شریک نہ ہو

سکے۔انہوں نے اپنے اخبار "اہلحدیث" میں قرارداد کی بھرپور تائید کی۔ مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی نے فتویٰ دیا کہ حالات کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان کو مسلم لیگ کا ساتھ دے کر تحریکِ پاکستان کے لیے کام کرنا چاہیے۔

- 1941ء دسمبر میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مدراس میں منعقد ہوا۔اس میں قائداعظمؒ نے فرمایا "اے ہندوؤ! ہم نے اپنے مطالبے کا رسمی نام فقط "قراردادِ لاہور" رکھا تھا۔ تمہارے پریس نے یہ نام مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کے بچے بچے کی زبان پر چڑھا دیا لہٰذا آج سے ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ آئندہ ہم قراردادِ لاہور کو قراردادِ پاکستان کہیں گے" (پاکستان حصارِ اسلام، پروفیسر محمد منور، صفحہ 43)
- قائداعظمؒ نے مسلم لیگ کے 1941 میں مدراس میں ہونے والے سالانہ اجتماع میں کانگریس وزارتوں کے "احسانات" گنواتے وقت "بندے ماترم" کے قومی گیت بنائے جانے کا بڑے دکھ سے ذکر کیا۔ قائداعظمؒ پورے ہندوستان میں متحرک ہوئے، اپنے معروف نعرے "ایمان، اتحاد، تنظیم" کے ساتھ، ہر طبقہ

میں دن رات انتھک محنت کی، طلباء اور علمائے کرام کو متحرک کیا۔ چند سالوں میں ہی بکھرے اور دبے ہوئے مسلمانوں کو اپنے نعرے ایمان، اتحاد، تنظیم پر اکٹھا کر کے ایک قوم بنا کر اپنی طاقت کو منوالیا۔

- 1941ء میں 26 اگست کو لاہور میں مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ کی قیادت میں جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔
- برطانوی وزیراعظم سر ونسٹن چرچل نے 10 ستمبر کو کہا کہ "کانگریس تمام اہلِ ہندوستان کی نمائندہ جماعت نہیں ہے۔ ہندوستان کے نو کروڑ مسلمان اس جماعت سے باہر ہیں بلکہ بنیادی طور پر اس کے مخالف ہیں اور انہیں اظہارِ رائے کا پورا حق حاصل ہے۔ کانگریس پسماندہ طبقوں سکھوں اور عیسائیوں کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے کی بھی مجاز نہیں ہے اور حکومت اس بنیادی حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتی۔ (دی ایسٹرن ٹائمز، 20 اگست 1942)

- 24 تا 26 اپریل 1943 کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے 30 ویں اجلاس میں ڈائس کے پیچھے پاکستان کا نقشہ آویزاں کیا گیا جو دو علاقوں کو ایک ملک ظاہر کرتا تھا۔
- مولانا اکرم خاں، مولوی تمیز الدین، بیگم شہاب الدین، بیگم اصفہانی ان اجلاسوں میں بنگال اور آسام کے مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے موجود تھے۔
- صوبہ سرحد سے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ممبر سردار امان زیب نے اس وقت اس مسئلے کو بالکل واضح کر دیا جب انہوں نے کراچی میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ کے 31 ویں اجلاس میں کہا "میں ہندوستان کی آزادی کے لیے لڑنے کو تیار ہوں۔ اگر ہندو پاکستان کے چھ صوبوں، این ڈبلیو ایف پی، پنجاب، سندھ ، بلوچستان، بنگال اور آسام میں حقِ خود ارادیت کا وعدہ کریں"۔ اسی اجلاس میں دو زون کا حوالہ دیتے ہوئے نواب بہادر یار جنگ نے کہا کہ یہ مطالبہ اب پاکستان کہلاتا ہے۔ (ڈس ممبر منٹ آف پاکستان، صفحہ 464، بریگیڈیئر جے سنگھ، 1988)

- 15اپریل 1942ء کو قائدِ اعظمؒ نے ایک اخباری انٹرویو میں کہا کہ مسلم لیگ صرف اسی صورت میں مفاہمت کرنے کے لیے تیار ہے کہ تمام سیاسی جماعتیں پاکستان کی سکیم کو قبول کر لیں۔(دی سول ملٹری گزٹ، 15اپریل 1942)
- 1943ء کو سنگاپور میں سبھاش چندر بوس نے آزاد ہند حکومت قائم کی۔
- 24مارچ 1946ء کو دہلی میں منعقدہ آل انڈیا مسلم لیگ لیجسلیٹرز کنونشن میں پاکستان کے لیے قرارداد پیش کرتے ہوئے مسٹر حسین شہید سہروردی نے کہا کہ مسلمانوں کا ماننا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندو غلبے سے بچانے کے نقطۂ نظر سے یہ ضروری ہے کہ شمال مشرقی زون میں بنگال و آسام اور شمال مغربی زون میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ایک خود مختار آزاد ریاست قائم کی جائے۔(حسین شہید سہروردی-ایک سوانح عمری، صفحہ 48، بیگم شائستہ اکرام اللہ، کراچی 1991)
- 22اپریل 1946 کے ٹائم میگزین نے اپنے ٹائٹل بیرونی صفحے پر ان دونوں علاقوں پر شیر بٹھا کر لکھا تھا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کے مسلم شیر ہندو گائے کو

کھا جائیں گے۔ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ نے جس اعلیٰ مقصد کے لیے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو لیا تھا بد قسمتی سے بعد میں آنے والوں نے اس عظیم منصوبے کو خراب کیا اور خود بھی عبرت کا نشان بن گئے۔

1946ء 31 مئی تا 2 جون الٰہ آباد میں ہونے والے کانگریس کے اجلاس میں پاکستان کو تسلیم کیا گیا۔

- 6 جون 1946 کو مسلم لیگ نے "کیبنٹ مشن پلان" منظور کیا کیونکہ اس میں ہندوستان کی تقسیم اور قیامِ پاکستان کے آثار موجود تھے۔ کانگریس کے صدر جب مولانا ابوالکلام آزاد تھے انہوں نے بھی اسے منظور کیا تھا پھر جب نہرو کانگریس کے صدر بنے تو انہوں نے انکار کر دیا پھر مسلم لیگ نے بھی اپنی مشروط رضامندی واپس لے لی۔
- 1946ء 25 اکتوبر کو مسلم لیگ نے حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ مسلم لیگ کو اس حقیقت کا ادراک ہو چکا تھا کہ اگر میدان کانگریس کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا تو یہ مسلمانوں کے لیے تباہ کن ہو گا

کیونکہ ہندو وسیع پیمانے پر مسلمانوں کے قتلِ عام کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ مذاکرات کے بعد مسلم لیگ نے 25 اکتوبر کو ایگزیکٹو کونسل میں شمولیت اختیار کرلی۔

- دسمبر 1945 اور جنوری 1946 کے الیکشن میں مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ مرکزی دستور ساز اسمبلی میں مسلم لیگ نے سو فیصد مسلم سیٹیں جیت کر برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ سیاسی پارٹی ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد میں مسلم لیگ نے 275 مسلم سیٹوں میں سے 232 جیتیں جو کل مسلم آبادی کا 84 فیصد بنتا ہے۔ مسلم اقلیتی صوبوں آسام، بہار، ممبئ، سی پی، مدراس، اوڑیسہ اور یوپی میں مسلم لیگ نے 217 میں سے 195 سیٹیں جیتیں جو کل مسلم آبادی کا 90 فیصد بنتا ہے۔ مسلم لیگ نے صوبائی انتخابات میں 492 مسلم سیٹوں میں سے 427 سیٹیں جیت کر 87 فیصد سیٹیں جیتیں۔ مسلمانوں نے بنگال کی 119 میں سے 115، آسام میں 34 میں سے 31، یوپی میں 66 میں سے 54، ممبئ 30 میں سے

30، مدراس 29 میں سے 29، اڑیسہ 4 میں سے 4، بہار 40 میں سے 34 اور سی پی 14 میں سے 13 نشستیں حاصل کیں۔ پنجاب میں 86 میں سے 74، سندھ میں 34 میں سے 28 اور صوبہ سرحد کی 36 میں سے 17 نشستیں حاصل کیں۔ مرکزی لیجسلیٹو (دستور ساز) اسمبلی کی کل 102 میں سے مسلمانوں کی مخصوص 30 میں سے 30 نشستیں مسلم لیگ نے حاصل کر کے ثابت کیا کہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہی ہے۔ 11 جنوری کو مسلمانوں نے یومِ فتح بڑی دھوم دھام سے منایا جس کے بعد ہندوؤں نے مسلمانوں پر بہار، بنگال، ممبئی اور دہلی میں حملے شروع کر دیئے۔

- 1946ء اپریل میں دہلی میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے اسمبلیوں کے نو منتخب اراکین کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں منظور ہونے والی قرارداد میں مسلمان قوم کے لیے ایک خود مختار ریاست کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان اراکین نے کنونشن میں حلف اٹھایا کہ وہ پاکستان کے مقصد کے حصول کے لیے ہر خطرے

،قربانی اور آزمائش کا سامنا کریں گے۔(فاؤنڈیشن آف پاکستان، جلد 11، صفحہ 533)

- سکھوں کے لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے پنجاب اسمبلی کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر 19 مارچ 1946 کو کہا! ہم خون کی ندیاں بہا دیں گے لیکن پاکستان نہیں بننے دیں گے۔ کلکتہ کے پلٹن گراؤنڈ میں قائدِ اعظم، مولانا ظفر علی خان، مولانا داؤد غزنوی نے تقاریر کیں۔ مولانا غزنوی نے ماسٹر تارا سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ !ماسٹر جی، خون کی ندیاں ہمارے لیے نئ نہیں ہیں۔ اسلام کی تاریخ کے اوراق خون کی ندیوں سے رنگین ہیں۔ پاکستان ان شاءاللہ بن کے رہے گا اور ہم پاکستان لے کر رہیں گے۔ مولانا ظفر علی خان نے مولانا غزنوی کو فی البدیہ شعر سے خراج تحسین پیش کیا!

قائم ہے ان سے ملتِ بیضا کی آبرو

اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی

پنڈت ماؤنٹ بیٹن

- 1946ء دسمبر میں گاندھی اور نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے کے طور پر پسند کیا۔
- 1947ء مارچ میں لارڈ ویول کو ہٹا کر ماؤنٹ بیٹن کو گاندھی اور نہرو کی خواہش و کرپس کی ملی بھگت سے لگایا گیا۔ (گاندھی کا خفیہ مشن، صفحہ 47، سدھیر گھوش)
- لارڈ ایٹلی نے انتقالِ اقتدار کی حتمی تاریخ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ انہوں نے 20 فروری کو اعلان کیا کہ ان کی حکومت جون 1948ء سے پہلے پہلے اقتدار منتقل کر دے گی۔ مارچ 1947ء میں ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کیا گیا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان پہنچنے کے بعد کچھ ہی عرصہ میں نہرو سے ذاتی مراسم پیدا کر لیے اور ہندوستانی سیاست کے ہر معاملے میں ان سے مشورہ کرنا شروع کر دیا۔ نہرو کے ساتھ تفصیلی مشورہ کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی تقسیم کا منصوبہ تیار کیا جسے لے کر وہ برطانوی حکومت کی منظوری کے لیے لندن پہنچے۔ اس امر کے پختہ شواہد موجود ہیں کہ برطانیہ کے لیے روانہ

ہونے سے قبل ماؤنٹ بیٹن کو نہرو کی مکمل آشیر باد حاصل تھی۔(ٹوئنٹی ائیرز آف پاکستان، لاسٹ ڈیز آف برٹش راج، صفحہ 69، لیونارڈ موصلے)

- ماؤنٹ بیٹن کو ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہ گزرا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم کے بارے میں اپنے منصوبے کو صرف ایک فریق پر ظاہر کر کے اور اس میں فریق کی خواہش کے مطابق تبدیلیاں لا کر ایک ایسی حرکت کے مرتکب ہو رہے ہیں جو ایک برطانوی وائسرائے جسے مکمل طور پر غیر جانب دار ہونا چاہیے کے شایان شان نہیں ہے۔(چوہدری محمد علی، کولمبیا یونیورسٹی پریس، صفحہ 48، دی ایمرجنس آف پاکستان)

- ماؤنٹ بیٹن نے مئی میں ہندوستان واپس آکر سیاسی رہنماؤں سے مشوروں کا آغاز کیا۔ماؤنٹ بیٹن نے جب محمد علی جناح کو تقسیم کے منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور ان کی رائے مانگی تو انہوں نے کہا وہ اس پر کچھ کہنے سے پہلے لیگ کونسل سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔یہ وہ مرحلہ تھا جب ماؤنٹ بیٹن نے انہیں دھمکی دی کہ وہ

اس طرح پاکستان سے محروم بھی ہو سکتے ہیں۔ قائداعظمؒ کا جواب تھا جو ضروری ہے وہ بہر حال ضروری ہے۔(ٹو نٹی ائیر ز آف پاکستان، صفحہ 70)

- قائداعظمؒ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا گورنر جنرل قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ تجویز دی کہ وائسرائے برطانیہ کا نمائندہ رہ کر دونوں ڈومینوں کے گورنر جنرلوں کے درمیان ثالثی کی ذمہ داری ادا کریں تو ماؤنت بیٹن کے غرور کو ٹھیس پہنچی اور وہ یکا یک کمرے سے باہر چلا گیا اور یہ کہتے ہوئے گیا کہ اس کی قیمت تمہارے تمام اثاثے اور پاکستان کا مستقبل ہو گا۔(ایچ وی ہڈسن، گریٹ ڈیوائیڈ، صفحہ 331)
- 1947ء اپریل میں پنڈت ماؤنٹ بیٹن اور کانگریس قیادت نے تقسیمِ برصغیر طے کر لی تھی۔
- 1947ء اپریل میں طے پا گیا تھا کہ اگر تقسیم برصغیر رک نہ سکی تو کشمیر ہندوستان میں شامل کرنے کے لیے گرداسپور کا تین چوتھائی حصہ ہندوستان کو دے دیا جائے گا۔

- 28اپریل 1947ء کو پنڈت ماؤنٹ بیٹن پشاور گئے اور وہاں مسلم لیگ کا اثر ورسوخ دیکھ کر حیران رہ گئے۔
- مئی 1947ء میں بنگال اور پنجاب کی تقسیم ماؤنٹ بیٹن اور جواہر لال نہرو نے طے کر لی تھی۔
- ہندو رہنماؤں نہرو اور مینن نے مل کر تقسیم کا منصوبہ تیار کیا تھا۔(پاکستان کی جامع تاریخ، محمد شاہد امین، صفحہ 55)
- 3جون 1947ء کو تقسیمِ برصغیر کا اعلان کیا گیا۔
- ریڈکلف کے پرائیوٹ سیکرٹری "بیومونٹ" لکھتے ہیں کہ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کو پنجاب میں اس بہت بڑے قتلِ عام کی پوری نہیں تو بیشتر ذمہ داری قبول کرنے چاہیے۔ جس میں پانچ لاکھ سے دس لاکھ افراد عورتوں اور بچیوں سمیت صفحہٴ ہستی سے مٹادیئے گئے۔ انتقالِ اقتدار کا کام انتہائی عجلت میں کیا گیا۔(بی بی سی کا "لنچ کے دوران ہندوستان تقسیم" 10اگست 2007ء، صفحہ 55)

- 12 جولائی 1947ء کو برطانوی وزیر اعظم ایٹلی نے اعلان کیا کہ برطانوی اقتدار ختم ہوتے ہی ریاستوں کے ساتھ استوار کردہ جملہ معاہدات واتفاقات (Treaties of Agrement) ختم ہو جائیں گے یعنی ریاستیں اَز سرِ نو آزاد ہو جائیں گی۔
- 25 جولائی 1947ء کو دہلی میں پنڈت ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجوں، نوابوں کو دھمکی دے کر ہندوستان میں شامل ہونے کا کہا۔ وی پی مینن لکھتے ہیں کہ جناح کا مؤقف راجپوت مہاراجگان کے لیے باعثِ کشش تھا چنانچہ مہاراجہ جودھپور اور ولی عہد جیسلمیر جناح کے پاس پہنچے۔ الحاقِ پاکستان کی خواہش کی۔ جناح نے سفید کاغذ پر دستخط کر کے ان کے حوالے کر دیا۔ پنڈت ماؤنٹ بیٹن نے مہاراجہ جودھپور بلونت سنگھ سے مسٹر جناح کا کاغذ لے لیا اور ہندوستان کے ساتھ الحاق کے عہد نامے پر دستخط کروا لیے۔
- نواب آف بھوپال نے 6 جون 1947 کو جناح کو مطلع کیا کہ وائسرائے ماؤنٹ بیٹن تمام نوابی ریاستوں اور راجوڑھوں پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ہندوستان کی

موجودہ آئین ساز اسمبلی میں شامل ہو جائیں اور اب تک حیدر آباد، جونا گڑھ ، بھوپال اور جموں کشمیر کے علاوہ ساری ریاستوں نے ہندوستان سے الحاق کر لیا ہے۔اس سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وائسرائے کی نیت اور رائے غیر جانبدارانہ نہیں ہے۔(کشمیر اور 3 جون کا منصوبہ پاکستان وژن، جلد 14، صفحہ 56)

- چین کے وزیر اعظم چواین لائی نے امریکی صدر نکسن کو 23 فروری 1972 کو اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ برطانیہ نے جان بوجھ کر حکمت عملی کے طور پر مسئلہ کشمیر کو حل کیے بغیر جوں کا توں چھوڑا۔(کشمیر اور 3 جون کا منصوبہ پاکستان وژن ، جلد 14، صفحہ 56)

- 1947ء 22 جون اور 19 تا 23 جولائی پنڈت ماؤنٹ بیٹن کشمیر رہے، مہاراجہ ہری سنگھ سے ایک سے زیادہ ملاقاتیں کیں اس کے بعد کانگریسی لیڈر مسلسل جموں کشمیر جاتے رہے۔ پھر جموں کشمیر کے اندر بھارتی ہندوؤں، سکھ جتھوں کی تعداد بڑھنے لگی۔حالات مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف کیے جانے لگے حالانکہ

جموں کشمیر کے مسلمان سرینگر 19 جولائی کو الحاقِ پاکستان کی قرارداد پاس کر چکے تھے۔

- لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے کہا کہ میں تمہیں کوئی پاکستان نہیں دینا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں تم متحد ہندوستان میں رہو۔ قائداعظمؒ نہیں مانے تو انہیں بنگال اور پنجاب کی تقسیم سے ڈرایا گیا۔ (دی مین بی ہائنڈ دی کرٹن، قائداعظم محمد علی جناحؒ، صفحہ 330، دبنکر جوشی)
- لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس کے لیڈر جگ جیون رام کی رائے سے اتفاق کیا کہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے بعد انتظامی حوالے سے پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا اور مسلم لیگ رضاکارانہ طور پر انڈین یونین میں شامل ہو جائے گی۔ (ایچ وی ہڈسن، گریٹ ڈیوائیڈ، صفحہ 245)
- فیلڈ مارشل آشین لیک اور فیلڈ مارشل منٹگمری اس امر کی تصدیق کر چکے ہیں کہ تقسیم سے بہت پہلے ماؤنٹ بیٹن جناح اور مسلم لیگ کا اعتماد کھو چکے تھے اور وہ نہرو کے مہمل ہو کر رہ گئے تھے۔

- لارڈ ماؤنٹ بیٹن کہتے ہیں کہ قائدا عظم کو متحدہ ہندوستان کی پیشکش کی لیکن قائدا عظم نے متحدہ ہندوستان کا وزیرا عظم بننے میں کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔ (ماؤنٹ بیٹن اینڈ پارٹیشن آف انڈیا۔ لیری کولنز، ڈومنیک، صفحہ 33) قائدا عظمؒ نے فرمایا میرا عمر بھر کا ایک اصول ہے وہ یہ کہ "میں قومی مفاد کو ذاتی روابط سے بلند تر رکھتا ہوں"
- میں نے قائدا عظم کو منانے کے لیے ہر حربہ آزمایا لیکن میں مکمل ناکام رہا اور قائدا عظم کامیاب رہے۔ (ماؤنٹ بیٹن اینڈ پارٹیشن آف انڈیا۔ لیری کولنز، ڈومنیک، صفحہ 39)
- قائدا عظم نے ہندوستان کا حصہ بننے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ بیشک میں سب کچھ "کھو" دوں لیکن "ہندوراج" کا حصہ نہیں بنوں گا۔ (ماؤنٹ بیٹن اینڈ پارٹیشن آف انڈیا۔ لیری کولنز، ڈومنیک، صفحہ 44)
- میں اعتراف کرتا ہوں کہ قائدا عظم کے سامنے میں ناکام ہو گیا۔ (ماؤنٹ بیٹن اینڈ پارٹیشن آف انڈیا۔ لیری کولنز، ڈومنیک، صفحہ 49)

- لارڈ ماؤنٹ بیٹن کہتے ہیں کہ یہ بات اب واضح ہو گئی ہے کہ اگر پاکستان کسی صورت قائم نہیں ہوا تو مسلم لیگ ہتھیار اٹھائے گی یعنی مسلح جدوجہد پر اتر آئے گی۔(پاکستان کی ایک جامع تاریخ، کراچی آئی بی ایم، 2015، صفحہ 132، شاہد امین)

جواہر لال نہرو نے خالی کاغذ لفافہ میں پیش کیا جناب آپ نے مجھے وزیر اعظم منتخب کیا، میں آپ کو پوری کابینہ پیش کرتا ہوں۔(ماؤنٹ کو نہرو نے خالی کاغذ لفافہ میں پیش کیا کہ وہ اس کی کابینہ کو منتخب کریں)(صفحہ 75، ماؤنٹ بیٹن اینڈ پارٹیشن آف انڈیا۔ لیری کولنز، ڈومنیک)

- گاندھی نے ماؤنٹ بیٹن کی منت کی کہ آپ ہمارے گورنر جنرل بن جائیں۔(ماؤنٹ بیٹن اینڈ پارٹیشن آف انڈیا۔ لیری کولنز، ڈومنیک)

- لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوؤں کی پسند کی وجہ سے وائسرائے بنا بھیجا گیا تھا۔ پھر اس نے جس طرح مسلمانوں کی، پاکستان کی مخالفت کی تھی اور ان کا حق مارا تھا ان سب باتوں کو دیکھتے ہوئے اسے پاکستان کا گورنر جنرل نہیں بنایا جا سکتا تھا کیونکہ وہ بطور

وائسرائے اپنی تمام صلاحیتیں، اختیارات پاکستان کے خلاف استعمال کر رہا تھا۔ بطور گورنر جنرل تو وہ اور زیادہ نقصان دہ ہوتا۔ قائداعظمؒ پاکستان اور ہندوستان کو مقتدر اعلیٰ مملکتوں کے روپ میں آزادی دلانا چاہتے تھے مگر کانگریس نہ مانی۔ اس کا کہنا تھا کہ "یونین آف انڈیا" سے بعض علاقے کاٹ کر پاکستان بنادیا جائے۔ جبکہ "یونین آف انڈیا" قائم رہے گی۔ ادھر قائداعظمؒ کا اصرار تھا کہ برٹش انڈیا کا جو بین الاقوامی تشخص ہے وہ صرف ہندوستان کو نہیں ملنا چاہیے۔ یہ رائے نہیں مانی گئی، پاکستان علیحدہ مملکت بن گیا جبکہ ہندوستان کو "یونین آف انڈیا" کی جانشین مملکت کا درجہ ملا۔ قائداعظم آئینی ماہر تھے وہ جانتے تھے کہ اگر ماؤنٹ بیٹن دونوں مملکتوں کا گورنر جنرل بنا تو وہ از روئے قانون وہ معاملات میں "جانشین" مملکت کی حمایت کرے گا۔ اس معاملے میں قائداعظم کی غیر معمولی ذہانت اور دوراندیشی نمایاں ہوتی ہے۔

- بقول فیلڈ مارشل منٹگمری 22 جون 1947ء کو قائداعظم سے دہلی میں ملے۔ جب ماؤنٹ بیٹن مہاراجہ ہری سنگھ سے ملنے کشمیر گئے ہوئے تھے۔ مسٹر

جناح، ماؤنٹ بیٹن کے بارے بہت برہم تھے اور وہ ماؤنٹ بیٹن کو کانگریس کا آدمی کہہ رہے تھے، ماؤنٹ بیٹن کانگریس کے پانی کی مچھلی ہے۔(میموریز)

- ریڈ کلف ایوارڈ اور کانگریسی رہنماؤں کی ملی بھگت سے اس میں ماؤنٹ بیٹن کی ترمیمات نے مسلمانوں کے مفادات پر آخری ضرب لگائی جس کا ثبوت سرایون، جینکنس، سر فرانسس مودی، جسٹس دین محمد اور جسٹس نیئر کے فراہم کردہ ریکارڈ سے بھی ملتا ہے۔ 3 جون 1947 کو تقسیم ہندوستان کا منصوبہ نشر کیا گیا اور پھر 15 اگست کو تقسیم عمل میں لانے کا اعلان بھی کر دیا گیا یعنی بمشکل اڑھائی ماہ کے عرصے میں لارڈ اسمے (میمائرز)، چوہدری محمد علی (ظہورِ پاکستان) اور چوہدری ظفر اللہ خان (تحدیث نعمت) نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ہندو قائدین نے جہاں اور بہت سے شرائط عائد کر رکھیں تھیں وہاں تقسیمِ ہندوستان کے بارے میں ایک حتمی شرط یہ بھی تھی کہ تقسیم اڑھائی ماہ کے اندر اندر عمل میں آجائے تا کہ مسلمان سنبھل نہ سکیں اور حکومت سازی کے لیے جملہ انتظامات نہ کر سکیں۔ اگر جون 1948 تک ان کو وقت مل گیا تو

مسلمان نہ صرف سنبھلیں گے بلکہ اپنا حق بھی پورا پورا اور اپنی مرضی کے چھ صوبوں مکمل بنگال، مکمل آسام، مکمل پنجاب، سرحد، بلوچستان، سندھ پر مشتمل چھ صوبوں والا پاکستان مسلم ریاستیں جموں کشمیر، حیدر آباد، جونا گڑھ، مناوادر اور الحاق کی خواہشمند راجپوت ریاستیں جیسلمیر، ٹرانکور، جودھ پور اور بیکانیر کو بھی ساتھ ملالیں گے اور ساتھ ساتھ دیگر ریاستیں، جزائر لکشادیپ اور اپنے حصے کی رقم، سامان، مشینری، انڈسٹری، اسلحہ وغیرہ بھی لے لیں گے۔

اس وقت ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت نہرو، سردار پٹیل وزیر داخلہ، سردار بلدیو سنگھ وزیر دفاع اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل تھے۔ امن وامان کے قیام اور جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر عائد ہوتی تھی بقول مولانا آزاد، پٹیل قتل وغارت کے ذمہ دار تھے۔ پنڈت نہرو ان کے سربراہ تھے ان لوگوں کو سخت مجبوری کے عالم میں قیامِ پاکستان کا مطالبہ منظور کرنا پڑا۔ آخری وار کے طور پر انہوں نے پاکستان کو کٹا پھٹا اور دیمک خوردہ پاکستان بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔ عبدالوحید خان کی کتاب "تقسیمِ ہند" اور مولانا آزاد کی کتاب "انڈیا ونز فریڈم" اور کیمبل جانسن کی ڈائری "اے مشن وِد

ماؤنٹ بیٹن" کے مطالعے سے واضح ہوجاتا کہ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم اس طرح کرنی چاہی تھی کہ مسلمانوں کی ضد بھی پوری ہوجائے، وقتی طور پر تصفیہ ہوجائے مگر جو علاقے مسلمانوں کو دیئے جائیں وہ ایسے کرم خوردہ ہوں کہ حکومت کا ڈھانچہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکے۔ پینکار جو بڑا تجربے کار مدبر تھا اس رائے کا مالک تھا کہ ہندوستان ایک ہاتھی ہے اس کی قوت میں کمی نہیں آنی چاہیے۔ اگر مسلمان زیادہ مصر ہیں تو انہیں ہاتھی کے کان الگ کرکے دیئے جاسکتے ہیں اس طرح ہاتھی کی قوت اپنی جگہ بحال رہے گی۔ ہندوؤں اور انگریزوں نے فسادات شروع کروادیئے اور ناکارہ، نامکمل، غیر محفوظ پاکستان کہہ کر پراپیگنڈہ شروع کردیا اور تقسیمِ ہند کے وقت باؤنڈری کمیشن کے ذریعے پاکستان کو کمزور ترین کرنے کی کوشش کی۔

چندی گڑھ یونیورسٹی میں جغرافیہ کے پروفیسر گوپال کرشن اپنی کتاب "ڈیمو گرافی آف پنجاب" میں لکھتے ہیں کہ تقسیم کے وقت پنجاب میں مسلم آبادی 53.2 فیصد، ہندو 29 فیصد اور سکھ 14 فیصد تھے۔ اسی طرح پورا پنجاب پاکستان کا حصہ تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کی اہلیہ سے ذاتی تعلقات استعمال کرکے اور باؤنڈری کمیشن

1945 میں نے ماؤنٹ بیٹن کے پریشر میں کانگریس کی مرضی کے مطابق تقریباً دسمبر 1945 میں وائسرائے ویول کے بنائے ٹاپ سیکرٹ "دی بریک ڈاؤن پلان" پر عمل کیا۔ ویول کا خیال تھا کہ ہندوستان کی ایسی تقسیم جناحؒ کو ہندوستان کی تقسیم پر اصرار کرنے سے روک دے گی۔ اس نے اپنے پلان میں دونوں ملکوں میں بین الاقوامی سرحد بھی تجویز کی چنانچہ 17 اگست 1947 کو ریڈ کلف نے جب سرحد بندی کا اعلان کیا وہ ہوبہو ویول پلان کے مشابہ تھا۔ ویول پلان انتہائی پوشیدہ رکھا گیا جس کا لندن اور دہلی میں چیدہ چیدہ افراد کو ہی علم تھا۔ اسی طرح ماؤنٹ بیٹن نے صوبوں کی بنیاد پر ابتداء میں "ڈکی برڈ پلان" بنایا تھا اور لندن سے تاجِ برطانیہ سے اس کی منظوری حاصل کر لینے کے بعد بھی ماؤنٹ بیٹن نے یہ منصوبہ خفیہ طور پر نہرو کو اس وقت دکھا دیا تھا جب مئی 1947 میں نہرو شملہ میں ان کے مہمان تھے، پھر اسے "مینن پلان" میں بدل دیا گیا جسے سردار پٹیل کی آشیر باد حاصل تھی۔ کمیشن نے مرشد آباد اور مالدا جہاں 70 فیصد مسلم آبادی تھی وہ بھی ہندوستان کو دے دیئے جبکہ انگریز سرکار کے اعلان کردہ فارمولے کے مطابق انہیں مشرقی پاکستان میں شامل ہونا تھا۔ سلہٹ کا علاقہ کریم گنج بھی ہندوستان کو دے دیا حالانکہ

ریفرنڈم میں 57 فیصد آبادی نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ دیا تھا۔ تقریباً تمام آسام بھی ہندوستان کو دے دیا جو پاکستان کے چھ صوبوں میں سے ایک تھا۔ اس طرح پنجاب کے فیروزپور، بٹالہ، ہوشیارپور، گرداسپور اور دسوہا کو ہندوستان میں شامل کر دیا گیا۔ گرداسپور پورے کا پورا پاکستان میں آرہا تھا مگر نہرو کی خواہش پوری کرتے ہوئے کشمیر کے لیے رستہ دینے کے لیے ایک تحصیل شکر گڑھ کے علاوہ تمام ضلع ہندوستان کو دے دیا گیا۔ لارڈ برڈ ووڈ اپنی کتاب "کشمیر ٹو نیشنز" میں لکھتے ہیں کہ گرداسپور کا ضلع صریحاً بے انصافی کے ساتھ ہندوستان کے حوالے کیا گیا تاکہ کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ممکن بنایا جا سکے اور اس طرح ہندوستان کو روس تک پہنچا دیا جائے۔ فیروزپور جہاں دریائے ستلج اور بیاس کا سرچشمہ ہے وہ پہلے پاکستان کو دیا گیا پھر ایک ہندو راجہ اور نہرو گاندھی کی دھمکی پر فیصلہ تبدیل کر کے ہندوستان کو دے دیا گیا۔ چوہدری محمد علی اپنی کتاب "ظہورِ پاکستان" میں لکھتے ہیں کہ ماؤنٹ بیٹن نے 12 اگست 1947 کو ریڈ کلف کے فیصلے کو تبدیل کر کے فیروزپور کو ہندوستان کے حوالے کر دیا۔ تقسیم کے بعد لاہور کے گورنر ہاؤس سے ملنے والے کاغذات میں فیروزپور کو پاکستان کا حصہ دکھایا گیا

تھا۔ فیروز پور پنجاب کا ایک مسلم اکثریتی علاقہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ نہری پانی کی تقسیم اور فوجی چھاؤنیوں کا مرکز بھی تھا۔ کانگریس کا مؤقف تھا کہ فیروز پور کا کنٹرول ہندوستان کو درکار ہے کیونکہ یہاں کی نہریں مشرقی پنجاب کی زراعت کے لیے اہم تھیں ۔اس کے علاوہ فیروز پور کی فوجی چھاؤنی ہندوستان کی دفاعی حکمتِ عملی کا حصہ تھی فیروز پور کے ہندوستان کو ملنے سے پاکستان کو معاشی اور دفاعی نقصان ہوا حالانکہ تقسیم کے فارمولے کے مطابق یہ طے ہوا تھا کہ اضلاع تقسیم ہوں گے۔اس کے برعکس ہندوانگریز گٹھ جوڑ، ماؤنٹ بیٹن کی اہلیہ اور پنڈت نہرو نے مل کر جہاں ہندوؤں کو فائدہ ہوتا تھا وہ اضلاع اور جہاں تحصیلوں کا فائدہ تھا وہ تحصیلیں ہندوستان میں شامل کر دیں۔ باؤنڈری کمیشن نے قطعی حدود کا اعلان 14 اگست کو کرنا تھا مگر اس نے 17 اگست کو کیا۔اس لیے پنجاب اور بنگال کے وہ لوگ جو اپنے گھروں میں اس لیے تھے کہ وہ لوگ پاکستان میں ہی ہیں ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑی جب انہیں پتہ چلا کہ ان کے علاقے ہندوستان کو دے دیئے گئے ہیں پھر انہیں بہت زیادہ ناقابلِ بیان جانی ومالی نقصان برداشت کرکے ہجرت کرنا پڑی۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اپنی کتاب "جد وجہدِ پاکستان" میں لکھتے ہیں کہ ایسا کوئی ایک علاقہ جس پر ہندو اپنا کوئی جھوٹ موٹ کا حق جتا سکتے تھے مسلمانوں کے حصے میں نہیں آنے دیا گیا۔ ایسے علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی ہندوؤں کے پاس چلے گئے۔ جو نہریں پاکستان کو سیراب کرتی تھیں ان کی سرابہ گاہیں (سرچشمہ) ہندوؤں کو مل گئیں کانگریس کی خواہش پر 14 جولائی 1947 کو صوبہ سرحد میں ہونے والے ریفرنڈم میں 99.2 فیصد عوام نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا مگر ہندوستان حیدر آباد اور کشمیر میں رائے شماری کروانے سے بھاگ گیا جس کا پہلے ماؤنٹ بیٹن کے کہنے پر اقرار کیا تھا۔

البیرونی نے صدیوں پہلے کہا تھا کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں اور انہیں دور سے بھی باآسانی پہچانا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا مطالبۂ پاکستان علاقائی، لسانی اور صوبائی نہ تھا بلکہ یہ مطالبہ "ملی" اور ہندو قوم سے جدا "ملت" کا تھا جس کی بنیاد دو قومی نظریے پر تھی۔ صوبائی اور علاقائی ہوتا تو دوسرے مذاہب بھی شامل ہوتے پنجاب کے ساتھ مدراس کو کیوں ہمدردی ہوتی اور بنگال و آسام کے ساتھ سرحد کو کیوں دلچسپی ہوتی؟ درحقیقت پاکستان برِصغیر کی امتِ مسلمہ کا مطالبہ تھا۔ مسلم اقلیتی علاقوں سے

تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو کہا جاتا کہ آپ کو تو ہندوؤں کے ساتھ ہی ہندوستان میں رہنا ہے تو وہ لوگ جواب دیا کرتے کہ اگر سارے سولہ آنے مل کر زور لگائیں گے گیارہ آنے تو آزاد ہو جائیں گے۔ تو یہ بہتر ہے یا سولہ آنے کے سولہ آنے ہی غلام رہیں۔ یہ ایثار، قربانی ،وفا کی وہ مبارک سوچ تھی جو تحریکِ پاکستان کی اصل قوت بنی اور یہی سوچ آج بھی پاکستان کی قوت ہے۔ جب اس کی جگہ علاقائیت، لسانیت یا کسی اور قدر کو مملکت کی اساس بنانے کی کوشش کی گئی اور ایک گمراہ سیاسی عنصر مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی اپنی ہوس کے باعث گمراہی پھیلانے لگا تو مشرقی اور مغربی پاکستان ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ بحر کیف اہلِ پاکستان اور اہل بنگلہ دیش پر قرض ہے ہندوستان کے مسلمانوں کا کہ وہ پاکستان اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کی آزادی کی قیمت ہر روز نت نئ قربانیاں دے کر آج تک بھی مسلسل ادا کر رہے ہیں۔

برِ صغیر کے اندر مسلم لیگ نے قائدِ اعظمؒ کی زیرِ قیادت وہ قوت حاصل کر لی تھی کہ برطانیہ والے اور ہندو مل کر بھی مسلمانوں کو جھکا نہ سکتے تھے۔ اللہ کے کرم سے اگر بیلٹ کے فیصلے پر بھی انگریز اور ہندو پاکستان کا قبضہ مسلمانوں کے سپرد کرنے سے انکار کرتے تو

مسلمانوں کے پاس بُلٹ یعنی گولی کی طاقت تھی اور وہ طاقت مسلم آبادی کے تناسب سے بہت زیادہ تھی۔ مسلمانوں کی سیاسی کامیابی کی پشت پناہ مسلمانوں کی بھرپور فوجی قوت تھی۔ یہ امر مسلمانوں سمیت برِ صغیر کی عام عوام کی نگاہوں سے مخفی تھا لیکن برطانوی اور ہندو قیادت پر خوب روشن تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کہتا تھا کہ مسٹر جناح نے دس کروڑ مسلمانوں کو ایک جداگانہ مسلم ریاست کے حصول کی خاطر مرنے مارنے پر تیار کر دیا تھا۔ مسٹر ایٹلی اپنی کتاب "اے پرائم منسٹر ری ممبرز" میں لکھتے ہیں کہ ہم نے ہر متبادل حل تجویز کیا مگر مسلمانوں کو ایک علیحدہ آزاد قومی وطن کا جنون ہو گیا تھا۔ مسلمانوں کا ذہن اسی نقطہ پر اٹک کر رہ گیا تھا" پھر ہم کیا کرتے "۔ لارڈ اسمے کی یادداشتوں میں بھی اور مائیکل ایڈورڈ کی کتاب "دی لاسٹ ایئر آف برٹش انڈیا" میں بھی اس امر کی جانب اشارے موجود ہیں کہ اگر مسلمان متحدہ ہندوستان تسلیم نہ کرتے تو یقیناً مسلمان لڑنے مرنے پر تیار تھے تو نتیجہ وسیع خانہ جنگی ہوتا جس کو روکنے اور قابو پانے کی اس وقت برطانیہ میں ہمت نہ تھی۔ (دیوارِ برہمن، پروفیسر منور مرزا، صفحہ 141) ایک اور انگریز عہدے دار نے کہا کہ مسلمانوں کے پاس لڑنے والے کافی لوگ تھے۔ مسلمانوں کی مجالس میں سقوطِ اندلس کا ذکر بھی ہوتا رہتا تھا کیونکہ اندلس کا سقوط مسلمانوں کے لیے

بہت بڑا تازیانہ اور تنبیہ ہے۔ ہندوستان کے ہندو بھی اندلس جا کر سیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو وہاں سے کیسے ختم کیا گیا اور ہندو بھی اس کے لیے تیاری میں تھے، جہاں بس چلتا مسلمانوں کو نشانہ بناتے تھے کیونکہ مسلمان غلامی قبول نہیں کرتا۔ مسلمان آدابِ غلامی سے ناآشنا ہیں۔ ہسپانیہ، اندلس، سپین میں 19 جولائی 711 تا 2 جنوری 1492 تقریباً 781 سال مسلمانوں کی حکومت رہی اور ہندوستان، بھارت، انڈیا میں بھی 712 تا 1857 تقریباً 1145 سال مسلمانوں کی حکومت رہی۔ دونوں کے تین تین نام مشہور ہیں اور فتح بھی تقریباً ایک ہی وقت میں ہوئے تھے۔ اندلس کے مسلم دور میں مسلمانوں نے ہر میدان میں نئی نئی ایجادات کیں تھیں اور اس وقت یورپ میں سب زیادہ ترقی اندلس میں تھی۔ خواتین اور اقلیتوں کے حقوق یورپ سے زیادہ تھے۔ ہندوستان کے ہندو حاکم چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ہسپانیہ کے مسلمانوں کی سی قسمت سے دوچار کریں چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کا جینا محال کرر کھا ہے۔ ہندوستانی حکومت نے ڈی پی دھر اور ہسکر وغیرہ جیسے ماہر اور سیاسی عہدے داروں کو ہسپانیہ ایک سے زیادہ بار بھیجا تاکہ وہ ہسپانوی مسیحیوں سے ہلاکت کے وہ نسخے حاصل کریں جن کے طفیل وہاں کے مسلمان ناپید ہوئے تھے اور وہ ہسپانوی مسیحیوں کے نسخوں کو اپنے برہمن نسخوں کے

ساتھ ملا کر کوئی زود اثر مرکب تیار کر سکیں بلکہ مقبوضہ فلسطین کے صیہونیوں سے بھی مسلم دشمنی کے نسخے لا کر ان سب کو اکٹھا کر کے ہندوستان میں مسلمانوں، عیسائیوں ،دلتوں اور پچھڑی جاتی کے لوگوں کا جینا حرام کر دیا ہے۔ حقیقتاً صرف اسلام کا آفاقی نظام تھا جو ہندوؤں کی یلغار سے بچا ہوا تھا و گرنہ ہندوؤں کے بقول ہندوستان نمک کی کان ہے یہاں تمام مذاہب تحلیل ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو جب تک فوجی بالادستی حاصل رہی ہندوا نہیں برداشت کرتے رہے لیکن جیسے ہی ان کی حکومت میں انحطاط پیدا ہوا وہ سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں سے مل کر ہندوستان میں مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر تُل گئے۔ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کی تحریروں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہیں یقین تھا کہ برِ صغیر میں مسلمانوں کے دین اور قومی تشخص کو بچانے کے لیے اس علاقے کے کسی نہ کسی حصے میں مسلمانوں کی سیاسی حاکمیت اور اقتدار کا برقرار رہنا ضروری ہے۔

23مارچ 1940 کو قراردادِ پاکستان و فلسطین کی منظوری کے بعد تینوں وائسرائے پاکستان کی مخالفت میں نمایاں تھے۔ لارڈ لنلگتھو، لارڈ ویول اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن ان کا کردار بہت سی کتب میں چھپ چکا ہے۔ جنوری 1946 کے الیکشن میں مسلم لیگ نے کامیابی حاصل کی تو مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے۔ الغرض پاکستان کو معرضِ وجود میں

آنے سے روکنے کے لیے ہر حربہ آزمایا گیا مگر پاکستان "مشیت الٰہی" تھا جس نے ظہور میں آنا ہی تھا۔ جب پاکستان وجود میں آگیا تو گاندھی، نہرو، پٹیل، شیام پرشاد، اچاریہ کرپلانی، راجندر بابو اور دیوان چمن لال وغیرہ سب ہندو قائدین نے ایک ہی راگ مسلسل الاپا کہ پاکستان عارضی بندوبست ہے اور اسے عنقریب واپس ہندوستان کا حصہ بن جانا ہے۔ جواہر لال نہرو نے وزیر اعظم ہند کی حیثیت سے علی الاعلان کہا کہ ہم ایسے حالات پیدا کر دیں گے کہ پاکستان کا ڈھانچہ زیادہ دیر کھڑا نہ رہ سکے گا، ہندوستانی حکمران مسلسل ہر طرح سے اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کو مضبوط عمارت اور پاکستان کو خیمہ کہا کرتا تھا۔ کوئی کہتا ہندوستان ہاتھی ہے مجبوری میں اس کے کان پاکستان کے نام پر دے دیئے جائیں۔ گاندھی کہتے تھے کہ ہندوستان میں آگ لگ جائے تو تب بھی ہم پاکستان کو قبول نہیں کریں گے اور یہ کہ پاکستان کی تجویز ہی بکواس ہے۔ پنڈت نہرو کہتے تھے کہ تقسیمِ ہند عارضی ثابت ہو گی بالآخر پاکستان کو ہندوستان کی گود میں آگرنا لازم ہے۔ نہرو نے ایک وقت نعرہ لگایا کہ ہندوستان میں فقط دو پارٹیاں ہیں، ایک برطانوی حکومت اور دوسری کانگریس۔ اس پر قائد اعظمؒ نے جواباً فرمایا کہ

پنڈت جی کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں تیسری پارٹی بھی ہے اور اس کا نام مسلم لیگ ہے جو تقریباً دس کروڑ مسلمانوں کی نمائندہ ہے اور یہاں کوئی ایسا نظام نہیں چلے گا جس میں مسلمانوں کی رضامندی شامل نہ ہو۔ گاندھی نے جولائی 1947 میں مشرقی بنگال میں کانگریس پارٹی سے کہا کہ وہ بنگال کو ایک تقسیم شدہ صوبہ نہ سمجھیں یعنی بنگال کو تقسیم شدہ تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ پھر قائدا عظمؒ کی مومنانہ بصیرت کے آگے بے بس ہو کر اور بقول مولانا آزاد کے مستقبل میں اپنے مفادات کے حصول کے لیے گاندھی، نہرو، پٹیل وغیرہ نے تقسیمِ ہند کی۔

دو قومی نظریہ آفاقی ہے اور تہہ در تہہ مفاہیم کا حامل ہے۔ گاندھی، اندرا گاندھی، جسونت سنگھ اور دوسرے ہندوستانی لیڈر دو قومی نظریے کے مخالف تھے۔ گاندھی تاحیات دو قومی نظریہ سے خائف رہے، اسے ختم کرنے کے جتن کرتے رہے جنہیں قائداعظمؒ نے ہمیشہ ناکام بنایا۔ اندرا گاندھی نے بھی سانحۂ مشرقی پاکستان کے بعد کہا کہ دو قومی نظریے کو خلیج بنگال میں بہا دیا۔ دراصل ہندو بخوبی جانتا ہے کہ دو قومی نظریہ ہندوستان میں آباد کئی اقوام کے حقِ خودارادیت کا نظریہ بن سکتا ہے۔ جب تک یہ نظریہ زندہ ہے موجودہ ہندوستان

کی حدود میں آباد کوئی بھی قوم اسی نظریے کی بنیاد پر اپنے لیے علیحدہ وطن کے حصول کی تمنا کو تحریک بنا کر اپنے آزاد و خود مختار وطن کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ برِ صغیر کی گزشتہ 4510 برس کی تاریخ میں پاکستان کل 711 برس ہندوستان کا حصہ رہا، ان میں سے 512 برس مسلمانوں کے دورِ حکومت کے ہیں اور لگ بھگ 200 برس بدھسٹ اور کرسچین ادوار کی حکومت پر مشتمل ہیں یعنی موجودہ مکمل پاکستان کبھی بھی ہندوستان کے ہندو حکمرانوں کے دور میں اس کا حصہ نہیں رہا مگر ہندوستان اپنے ہندتوا کے توسیع پسندانہ عزائم کے مطابق نا صرف کابل تک بلکہ (نعوذ باللہ) مکہ مکرمہ بیت اللہ پر قبضہ کے خواب دیکھ رہا ہے۔ ہندو رہنماؤں کی کتب سے بخوبی ان کی سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔ پروفیسر بلراج مدھوک کی "ہندوستان دوراہے پر" اور لالہ ہر دیال نے 1925 میں "میرے وچار" لکھا اور ہندو رہنما گولکر وغیرہ کی کتب سے بھی ان کے خیالات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کے طویل دورانیے میں ہندو جاتی کو ہندوستان میں مرکزی حکومت قائم کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ ان کا سب سے بڑا مہاراجہ بکرماجیت تھا جس کے دور کو لالہ زار ہند کے پوجیہ دادا اپنی تاریخ کا سنہری دور قرار دیتے ہیں۔ اس کی سلطنت

میں نہ صوبہ سرحد (کے پی کے) نہ پنجاب، نہ جموں کشمیر، نہ سندھ، نہ بلوچستان، نہ آسام، نہ سارا بنگال، نہ اڑیسہ اور نہ کوہ بندھیاچل کا تمام جنوبی وسیع ملک جسے دکن کہتے ہیں بھی نہ تھا جس میں آج آندھرا پردیش، مدھیا پردیش، مہاراشٹر، تامل ناڈو، کیرالا اور کرناٹک وغیر شامل ہیں۔ یہ تھی گوپال لالاؤں کی سب سے بڑی حکومت اس برصغیر میں جو اس سارے برصغیر کا بمشکل چھٹا یا ساتواں حصہ بنتی ہے۔ دراصل مسلمانوں نے ہی ہندوستان کو وہ نقشہ عطا فرمایا جسے آج یہ روپ نکھائی بیر بہادر 'اکھنڈ بھارت' کہتے ہیں۔ (دیوارِ برہمن، صفحہ 127، پروفیسر محمد منور) اس کے باوجود ہندوستان یہ راگ الاپے جا رہا ہے کہ بھارت "اکھنڈ" ہے یعنی ناقابلِ تقسیم۔ اس کا معنی جو ہندو نفسیات میں جاگزیں ہے وہ یہ ہے کہ بنگلہ دیش، نیپال، بھوٹان، سری لنکا، مالدیپ، پاکستان اور افغانستان تا بخارا اور سمرقند کو بھارت کا حصہ بنانا ہے۔ اس لیے نہرو گاندھی کے تاریخی واہمے کے مطابق یہ سارے علاقے پراچین بھارت کا حصہ ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہندوؤں کے جدید مؤرخین ملائیشیاء، انڈونیشیاء اور تھائی لینڈ وغیرہ پر بھی ہندو تسلط نافذ کرنے کی امنگیں دل میں پال رہے ہیں۔ اگر ہندو ذہنیت یہی ہے اور حقیقتاً یہی ہے تو ہرگز ممکن

نہیں کہ کسی بھی عہد و پیماں یا دوستی یا تہذیبی اداروں اور تجارت کے باہمی جعلی تقرب کی بدولت برہمنی ذہن اپنی دھن سے باز آجائے خصوصاً جب مادی اور عسکری وسائل کی فراوانی اسے بیشتر میسر ہو۔ بھارتی ہندو قوم صدہا سال غلام رہی بطورِ غلام اور چاکر وہ ہماری بڑی خدمت گزار تھی۔ کہنہ مشق غلام چاکر تو اچھا ہی ہونا چاہیے لیکن جب غلام اور چاکر کو اچانک دولت قوت اور اقتدار میسر آجائے تو وہ بڑی جلدی گستاخ اور بے لگام ہو جاتا ہے نودولتیے افراد جس طرح دولتی جھاڑتے ہیں عیاں ہے پھر اگر ہندوستان کے غلامان نو آزاد آج بے لگام ہو رہے ہیں تو بات سمجھ آتی ہے۔ علاج ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل پاکستان خصوصاً اور ہندوستان کے کنارے پر آباد دیگر سارے ممالک اپنی اپنی جگہ مضبوط چٹان بنیں۔ جہاں تک بس چلے پاکستان کو خصوصاً ہر لحظہ تیار رہنا ہو گا اس لیے کہ اگر پاکستان گردن ڈال دے تو باقیوں کو تر نوالہ بنا لینا ہندوستان کے لیے بے حد آسان ہو گا۔ اس لیے لازم ہے کہ پاکستان ہندوستان کے دانت کھٹے کرنے کی پوزیشن میں ہمیشہ رہے۔ جب تک ہندوستان بارہا کوشش کر کے اور دانت تڑوا کے اور مایوس ہو کر نہیں رہ جاتا اس وقت تک ہندوستان پاکستان کو چین ہر گز نہ لینے دے گا۔ واضح رہے کہ برِ صغیر

کئی قوموں میں تقسیم اور درجنوں حکومتوں کی آماجگاہ تھا لہٰذا "اکھنڈ بھارت" پر ہندو کا حق نہیں بلکہ مسلمانوں کا حق بنتا ہے۔ اتحاد تو مسلمانوں نے پہلی بار کروایا تھا۔ مسلمانوں کے درجنوں سلاطین بکرماجیت سے بڑے بلکہ بہت بڑے تھے۔ لہٰذا جسے لالہ صاحبان اکھنڈ بھارت کہتے ہیں اس کے صحیح معنوں میں وارث مسلمان ہیں نہ کے ہندو۔ پاکستان کے بچے بچے کے ضمیر و ذہن میں وسیع تر پاکستان کی امنگ راسخ کر دینا لازم ہے۔ ہمیں دفاع کی نہیں اقدام کی ضرورت ہے کیونکہ خود سر نودولتیے برہمن کا یہی موزوں علاج ہے۔

فرامینِ قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ

1) قائدِ اعظمؒ نے 1916 میں جب لکھنؤ پیکٹ کانگریس کے ساتھ کیا تو اس پیکٹ کی رو سے مسلمانوں کے جداگانہ حقوق منوائے تھے یوں مسلمانوں کو ایک جدا اور علیحدہ قوم تسلیم کرالیا تھا۔ دسمبر 1928 کو نہرو رپورٹ کی منظوری کے لیے کلکتہ میں آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی۔ قائدِ اعظمؒ نے معمولی سے ترامیم پیش کیں جن کو ہندو قیادت نے بڑی سرد مہری سے رد کر دیا۔ یہاں سے

ہندو مسلم اتحاد کے داعی قائدِ اعظمؒ بد دل ہو کر اُٹھے اور ان کے ایک رفیق کے بقول ان کی آنکھیں اشک آلود تھیں اور انہوں نے فرمایا کہ اب ہماری اور کانگریس کی راہیں جدا جدا ہیں۔(پاکستان حصارِ اسلام، صفحہ 370، پروفیسر محمد منور)

2) 1940ء 23مارچ کے اجلاس منٹو پارک میں قائدِ اعظم نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف فلسفوں، سماجی رسوم اور ادبی روایات سے ہے وہ نہ تو باہم شادیاں کرتے ہیں اور نہ ہی اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جو بنیادی طور پر متصادم نظریات و تصورات پر مبنی ہیں۔ان کا تصورِ حیات ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ان کے ہیرو اور تاریخ الگ الگ ہے۔ایک فریق کے ہیرو اکثر صورتوں میں دوسرے کے لیے ناپسندیدہ شخصیتیں ہیں۔ان کی تاریخ میں ایک فریق کی شکستیں دوسرے فریق کی فتوحات رہی ہیں۔ان دو قوموں کو اکثریت اور اقلیت کی حیثیت میں ایک ہی ریاست میں اکٹھا رکھنا ملک میں بے اطمینانی کے

فروغ کا باعث ہو گا۔ مسلمان ہر اعتبار سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں اپنا وطن ،اپنا علاقہ اور اپنی ریاست ملنی چاہیے۔(سپیچز اینڈ رائٹنگز آف مسٹر جناح، جلد 1، صفحہ 160)

3) قائدِ اعظمؒ نے 8 مارچ 1944 کو علی گڑھ یونیورسٹی میں جو فرمایا اس میں تین نکات اہم ہیں۔ پہلا نکتہ : پاکستان کے قیام کا محرک اسلام کا بنیادی تقاضا ہے یعنی حریت اور آزادی ہمارا حق ہے۔ ہم مسلمان، ہندو قوم سے الگ قوم ہیں، ہم امتِ اسلامیہ کا حصہ ہیں، اس لیے الگ و آزاد وطن کا استحقاق رکھتے ہیں۔ دوسرا نکتہ : مسلمانوں کی قومیت کی اساس نہ علاقائی ہے، نہ نسلی، نہ لسانی بلکہ مسلمانوں کی قومیت یا مسلمانوں کا معاشرہ کلمۂ توحید پر استوار ہے۔ ہم جب خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم دھرتی کے دیوتا، نسل کی دیوی اور زبان کے بت توڑ دیتے ہیں۔ تیسرا نکتہ : پاکستان تو اسی روز معرضِ وجود میں آ گیا تھا جس روز پہلے ہندو نے قبولِ اسلام کیا تھا۔(پاکستان حصارِ اسلام، صفحہ 373، پروفیسر محمد منور)

4) قائداعظمؒ نے دسمبر 1946 مصر میں ایک دورے کے دوران مصری عہدے داروں سے فرمایا کہ اگر ہندوستان ایک متحدہ فیڈریشن کی صورت میں ہندو حکومت قائم کرلیتا ہے تو برطانیہ کے بعد ہانگ کانگ سے لے کر نہرِ سویز تک اس کی دھونس چلے گی۔ نہرِ سویز اگر آج انگریز کے اشارہ آبرو پر کھلتی اور بند ہوتی ہے تو کل ہندو کے اشارے پر کھلے اور بند ہو گی۔ اگر برِ صغیر میں ہم ایک آزاد مسلم مملکت بنانے میں کامیاب ہو گئے تو کوئی ہندو حکومت مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کو دھونس نہیں دے سکے گی۔ (پاکستان حصارِ اسلام، صفحہ 237، پروفیسر محمد منور)

5) قائداعظم اور جواہر لال نہرو کو برطانوی وزیر اعظم ایٹلی نے برطانیہ بلایا کہ دونوں ملک مل کر چلیں تا کہ پاکستان نہ بنے اور ہندوستان تقسیم نہ ہو مگر قائداعظم نے سودے بازی سے انکار کر دیا۔ واپسی پر قائداعظمؒ قاہرہ مصر میں رکے وہاں ایک تقریب میں مفتیِ اعظم فلسطین امین الحسینی، اخوان المسلمین کے رہنما حسن البناء اور عالمِ اسلام کے بہت لیڈر موجود تھے۔ قائداعظمؒ نے کہا

اگر ہم پاکستان حاصل کرنے میں ناکام ہو گئے تو انڈیا کی سرحدیں مصر تک پہنچ سکتی ہیں۔افغانستان،ایران اور مصر پر ہندو راج قائم ہو سکتا ہے۔پاکستان بنانے کے لیے آپ کی حمایت چاہیے۔(دی مین بی ہائنڈ کرٹن، قائدا عظم محمد علی جناح، دبنکر جوشی، صفحہ 315)

6) قائدا عظمؒ نے یکم مئی 1947 کو امریکی دفتر خارجہ کے عہدے دار ریمنڈ ہیئر کو بتایا کہ ہندو سامراج کا مشرقِ وسطیٰ تک پھیلاؤ روکنے کے لیے پاکستان کا قیام ضروری ہے۔تمام مسلم ممالک روس کی ممکنہ جارحیت کے خلاف کھڑے ہونگے اور مدد کے لیے ہماری طرف دیکھیں گے۔(پاکستان عسکری ریاست، ابتداءارتقاءاور نتائج، صفحہ 45،ڈاکٹر اشتیاق احمد)

7) قائدا عظمؒ نے اسلامیہ کالج پشاور میں فرمایا تھا کہ ہمیں محض ایک قطعہ زمین کے حصول کا شوق نہ تھا ہمیں تو رقبہ چاہیے تھا جسے ہم اسلامی معمل (تجربہ گاہ) بنا سکیں، جہاں اسلامی اصولوں کو آزما سکیں اور ثابت کر سکیں کہ اسلام کے

اصول آج بھی ویسے ہی بر حق اور قابلِ عمل ہیں جیسے 1400 سال قبل تھے۔(پاکستان حصارِ اسلام، صفحہ 337، پروفیسر محمد منور)

8) 14 اگست 1947 کے دن جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائدا عظمؒ کو گورنر جنرل پاکستان کے عہدے کا اختیار سونپا اور اس طرح آزادیِ پاکستان کو تسلیم کیا تو اپنی تقریر میں کہا تھا کہ امید ہے کہ پاکستان میں غیر مسلم اقلیتوں کے حق میں اکبرِ اعظم جیسی رواداری کا مظاہرہ کیا جائے۔ جواباً قائدا عظمؒ نے فرمایا آپ ہمیں اکبر کے حوالے سے رواداری کا درس دیتے ہیں، اکبر تو ابھی کل کی بات ہے ہمیں دوسروں کے حق میں فیاضی اور رواداری کا درس ہمارے پیغمبر ﷺ نے تیرہ سو سال قبل دیا تھا۔(پاکستان حصارِ اسلام، صفحہ 379، پروفیسر محمد منور)

9) قائدا عظمؒ نے فرمایا کہ مجھ سے اکثر پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کا طرزِ حکومت کیا ہوگا؟ پاکستان کے طرزِ حکومت کا تعین کرنے والا میں کون ہوتا ہوں۔ مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان

کر دیا تھا۔الحمدللہ، قرآن مجید ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔(آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹ فیڈریشن، 15نومبر 1942)

10) قائداعظمؒ نے فرمایا کہ ہم جانتے ہیں کہ گزشتہ بارہ صدیوں کی تاریخ ہم میں اتحاد پیدا کرنے میں ناکام رہی۔اس تمام عرصے میں ہندوستان، ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا میں تقسیم ہوتا رہا۔اس وقت جو مصنوعی اتحاد نظر آتا ہے وہ محض برطانوی اقتدار کا نتیجہ ہے۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ اقبال نے آپ کے سامنے ایک واضح اور صحیح راستہ رکھ دیا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہو سکتا۔وہ دورِ حاضر میں اسلام کے بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔مجھے اس کا فخر حاصل ہے کہ آپ کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع مل چکا ہے میں نے اس سے زیادہ وفادار رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔(ہفت روزہ حمایت اسلام، لاہور 6مارچ 1941)

11) قائدِ اعظمؒ نے 30 اکتوبر 1947 کو یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور میں فرمایا تھا کہ میں تم میں سے ہر ایک سے مطالبہ کرتا ہوں کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنادیں اور اس کوشش میں اپنا سب کچھ لٹا دیں۔ قائدِ اعظمؒ نے فرمایا کہ آپ اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں جس کی تاریخ شجاعت اور بلندیٔ کردار کی بے شمار مثالوں سے پر ہے۔ اپنی زندگیاں ان روایات کے مطابق ڈھالیے اور تاریخ میں ایک اور روشن باب کا اضافہ کیجیے۔

ایک اور موقع پر انہوں نے فرمایا کہ اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنی پڑے تو کسی صورت ہتھیار نہ ڈالیے۔ پہاڑوں ، جنگلوں، میدانوں اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔ (مطالعہ پاکستان لازمی، صفحہ 220، عبدالقادر خان)

1948 عیدالفطر کے موقع پر قائدِ اعظمؒ نے فرمایا: ہمت سے کام لیجیے اور پاکستان کو وہ بنایئے جو ہمارے خوابوں کا پاکستان ہے۔ (میرا بھائی، فاطمہ جناح، ترجمہ منیر احمد)

12) قائدا عظمؒ نے فرمایا پاکستان کا حصولِ وحدت عالم اسلامی کی طرف پہلا قدم ہے، پاکستان عالمِ اسلام کا قلعہ ہے۔(دیوارِ برہمن، پروفیسر محمد منور، صفحہ 169)

13) قائدا عظمؒ کے پیشِ نظر جو پاکستان تھا وہ یہ کہ مسلم پاکستان، مضبوط و مستحکم پاکستان، پھیلنے والے پاکستان، وہ پاکستان جس پر کوئی دشمن چڑھ دوڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔ قائدا عظمؒ نے فرمایا کہ اگر پاکستان نہ رہا تو برِ صغیر میں اسلام ختم ہو جائے گا۔(دیوارِ برہمن، پروفیسر محمد منور، صفحہ 169)

14) قائدا عظمؒ نے ڈاکٹر نذیر احمد کو پاکستان کے سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبے کی ترقی کی ذمہ داری سونپی۔ڈاکٹر نذیر احمد ایک نامور سائنسدان تھے جنہیں بعد میں(PAEC)کا پہلا چیئر مین بنایا گیا۔

15) قائدا عظمؒ 13اپریل 1948 کو پاک فضائیہ کی اکیڈمی کا وزٹ کیا اور کہا کہ کوئی بھی ملک کمزور ائیر فورس کے ساتھ دشمن کی جارحیت کا نشانہ بن سکتا ہے۔پاکستان کو چاہیے کہ جتنا جلد ہو سکے پاک فضائیہ کو مضبوط کرے جو دنیا

میں کسی سے بھی دوسرے نمبر پر ہو۔(پاکستان ائیر فورس سیکنڈ ٹو نن)(ائیر کموڈور خالد چشتی)

16) علامہ عثمانیؒ نے قائدِ اعظمؒ کے جنازہ کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے ان کی فکر اور کردار اِن الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا تھا۔"قائدؒ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ ان شاءاللہ وہ دن قریب ہے جب کراچی اسلامی ممالک کا مرکز ہو گا۔ کراچی سے لیکر انقرہ تک، کراچی سے لیکر مراکش تک، کراچی سے لیکر چین تک مسلمانوں کا مضبوط بلاک بنایا جائے گا جسکی قیادت کے فرائض ان شاءاللہ پاکستان ادا کرے گا ۔انہوں نے قائد کے بارے میں فرمایا کہ قائدِ اعظم ایک غریب اور بے علم قوم کا راہنما تھا اور تمام دینوی آسائشوں کو ٹھکرا کر اپنی قوم کے پامال لوگوں کی بہتری کے لیے شب و روز مصروفِ خدمت رہتا تھا۔اس نے عہدِ اورنگزیب کی شان و شوکت کی یاد تازہ کر دی تھی اور اس سر زمین کے مسلمان ان تمام خدمات کے عوض جو آپ نے مسلم قوم کے لیے انجام دی تھیں۔آپ کے ہمیشہ خدمت

گزار رہیں گے۔(بحوالہ خطباتِ عثمانی، صفحہ 294،بحوالہ امروز 12 ستمبر 1948)

17) قائداعظمؒ نے فرمایا"میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو میرا دل گواہی دے کہ جناح نے اللہ کے دین اسلام سے خیانت اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی امت سے غداری نہیں کی۔ مسلمانوں کی آزادی، تنظیم، اتحاد اور مدافعت میں اپنا کردار ٹھیک ادا کیا اور میرا اللہ کہے کہ اے میرے بندے! بے شک تو مسلمان پیدا ہوئے۔بے شک تو مسلمان میرا!۔(سکاؤٹ ریلی سے خطاب،30 جولائی 1948،لاہور)

قائداعظمؒ سے انگریز دانشور ہیورلی نکلسن نے سوال کیا کہ جب آپ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں تو کیا آپ مذہب کے معنوں میں سوچ رہے ہوتے ہیں؟ اس پر بابائے قوم نے فرمایا کہ آپ یہ حقیقت کبھی نظر انداز نہ کریں کہ اسلام صرف نظام عبادات کا نام نہیں یہ تو ایک ایسا دین ہے جو اپنے پیروکاروں کو زندگی کا ایک حقیقت پسندانہ اور عملی نظامِ حیات دیتا ہے۔ میں زندگی کے معنوں میں سوچ رہا ہوں، میں زندگی

کی ہر اہم چیز کے معنوں میں سوچ رہا ہوں۔ میں اپنی تاریخ، اپنے ہیروز، اپنے آرٹ، اپنے فنِ تعمیر، اپنی موسیقی، اپنے قوانین، اپنے نظامِ عدل وانصاف کے معنوں میں سوچ رہا ہوں۔ ان تمام شعبوں میں ہمارا نقطۂ نظر نہ صرف ہندوؤں سے انقلابی طور پر مختلف ہے بلکہ بسااوقات متصادم بھی ہے۔ ہماری اور ہندوؤں کی زندگیوں میں ایسی کوئی چیز نہیں جو ہمیں بنیادی طور پر ہم رشتہ کر سکے۔ ہمارے نام، ہمارا لباس، ہماری خوراک اور نظام زندگی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ہماری اقتصادی زندگی، تعلیمی تصورات، جانوروں تک کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر، ہم زندگی کے ہر مقام پر ایک دوسرے کو چیلنج کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر گائے کا ابدی مسئلہ ہی لے لیں، ہم گائے کو کھاتے ہیں اور وہ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ (مطبوعہ، 1944ء ویر ڈیکٹ آف انڈیا)

قائداعظم محمد علی جناحؒ وجہادِ فی سبیل اللہ

1- قائداعظم نے فرمایا: ہم نے بالآخر فیصلہ کرلیاہے کہ پاکستان ہماری واحد منزل ہے، اس کے لیے ہم لڑنے مرنے کو تیار ہیں، اس کے متعلق کسی طرح کی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔[19نومبر 1940ء]

2- قائداعظم نے 18جون 1945ء کو فرمایا: پاکستان کے لیے لڑیے، پاکستان کے لیے زندہ رہیے اور ناگزیر ہو تو حصول پاکستان کے لیے مر جایئے، ورنہ پھر مسلمان اور اسلام دونوں تباہ ہو جائیں گے۔[قائداعظم تقاریر وبیانات، جلد سوم صفحہ :438، اقبال احمد صدیقی مترجم]

3-مارچ 1946ء کو قائداعظم نے تقریر کرتے ہوئے کہا: اجازت دیجیے کہ میں غیر مبہم انداز میں بیان کردوں کہ ہم تہیہ کرچکے ہیں کہ پاکستان حاصل کریں گے۔ اگر ممکن ہوا تو مذاکرات کے ذریعے پر امن طریقے سے، لیکن اگر ضروری ہوا تو ہم اپنا خون بہانے کے لیے تیار ہیں اور آگ کے اس دریا سے گزرنے کے لیے بھی جس میں سے گزرنا

مطلوب و مقصود ہے۔ ہمارے حصول پاکستان کا مطلب ہے ہماری بقااور ناکامی کے معنی ہیں ہماری فنااور اس سب کچھ کی بھی جس کا برصغیر میں اسلام علم بردار ہے۔[قائداعظم تقاریر و بیانات، جلد سوم، اقبال احمد صدیقی، بزم اقبال لاہور، 1998ء]

4-جب برطانوی حکومت نے ہندوستان کو متحد رکھنے کی خاطر ایک اور مشن بھیجنے کا اعلان کیا تو قائداعظم نے متذکرہ بالا بھرے ہوئے ریوالور کی لب لبی پر اپنی انگلی رکھ دی اور اعلان کیا کہ اب میں کسی اور مشن سے مذاکرات نہیں کروں گا۔اب میرے پیش نظر مذکرات کے میز کی بجائے زندگی کا وسیع میدان عمل ہے۔اب سلطنت برطانیہ کو یا تو پرامن طریقے سے پاکستان کا قیام قبول کرنا ہو گا یا پھر آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت میں ڈائریکٹ ایکشن (راست اقدام) کا سامنا کرنا ہو گا۔یہ گویا آئینی جدوجہد کی راہ چھوڑ کر مسلح جدوجہد کا راستہ اپنانے کا اعلان تھا۔[فتنہ انکار پاکستان، صفحہ:161]

5- فروری 1947ء کو برطانوی حکومت کے اعلان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے سکندر مرزا کو فون کر کے ملاقات کے لیے بلایا۔ سکندر مرزا وزارت دفاع میں جوائنٹ سیکرٹری تھے۔ قائداعظم نے سکندر مرزا سے پوچھا: آپ اب بھی مجھے مسلمانوں کا لیڈر

تسلیم کرتے ہیں؟ سکندر مرزا نے اثبات میں جواب دیا۔ قائدِ اعظم نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ مجھے پاکستان نہیں ملے گا، اگر کچھ سنجیدہ مسئلہ پیدا نہ کیا گیا اور اس کے لیے صوبہ سرحد اور ملحقہ قبائلی علاقے بہترین ہیں۔ اس سے قبل کہ برطانیہ ملک کو کانگریس کے حوالے کر دے۔ مسلمانوں کو اپنے غم و غصہ کا اظہار کرنا چاہیے، اگر پاکستان مذاکرات سے نہیں ملتا تو ہمیں لڑنا ہو گا۔ سکندر مرزا کہتے ہیں کہ میری سٹی گم ہو گئی۔ برطانوی حکومت سے میرا تعلق کافی پرانا تھا، ان کے ساتھ میرے بہت ہی عمدہ مراسم تھے، ہندوؤں سے بھی میرے تعلقات بہت اچھے تھے اور میرے بہت سے اچھے دوست ہندو تھے۔ مختلف پولیٹیکل ایجنسیوں میں طویل عرصے تک خدمات انجام دینے کے باعث مجھے اچھی طرح سے علم تھا کہ برطانوی حکومت نے قبائلیوں کو قابو میں رکھنے کے لیے کیسا عمدہ اور مستعد نظام قائم کر رکھا ہے۔ قبائلی علاقے میں ان کی جاسوسی کا زبردست نظام موجود تھا۔ پھر قبائلی علاقے میں اگر بغاوت ہو تو اس کا مطلب خون ریزی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ایسی بغاوت قبائلی علاقے کی سرحد کے ساتھ انگریزی عمل داری کے دیہات پر حملوں کی صورت میں منتج ہو گی اور یوں لاتعداد بے گناہ افراد مارے جائیں گے۔ یہ سب

باتیں میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گئیں۔ قائدا عظم چاہتے تھے کہ نوکری سے استعفیٰ دے دوں اور قبائلی علاقے میں جاکر جہاد شروع کروں۔انھوں نے کہا کہ ان کی معلومات کے مطابق میں اگر واقعی کوشش کروں تو ایسا کر سکتا ہوں۔میں نے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا، پھر بھی میں نے قائدا عظم کے منصوبے کو قبول کیا اور کہا کہ میری کوئی خواہش نہیں کہ عمل کا وقت آنے پر مجھے کمزور پایا جائے۔کھلے پیسے کی موجودگی میں وزیرستان، تیرہ اور مہمند میں کچھ گڑبڑ کروا سکتا تھا۔میں نے رقم کا اندازہ ایک کروڑ روپے بتلایا اور پھر کہا کہ اگر میں دہلی سے اس طرح غائب ہو جاؤں تو اس کے لیے بھی کوئی نہ کوئی جواز ڈھونڈنا پڑے گا،یوں معلوم ہوتا ہے کہ قائدا عظم نے دونوں مسئلوں پر پہلے سے غور کررکھا تھا۔کہا کہ تم دہلی کی نوکری چھوڑ کر ہزہائی نس خان آف قلات کی نوکری اپنالو اور رقم ہزہائی نس نواب آف بھوپال دے گا۔میں نواب بھوپال سے ملنے گیا، اس نے مجھے فوری طور پر خرچ کرنے کے لیے بیس ہزار روپے دیے۔میں نے فوراً کام شروع کر دیا۔چند ایک پرانے معتمد ساتھی ڈیرہ اسماعیل خان اور پشاور سے بلائے۔قبائلی علاقے سے بھی اپنے دوستوں کو بلایا۔کافی بحث و مباحثہ کے بعد ہم نے ایک منصوبہ بنایا

کہ جن لوگوں کو میں بہت قریب سے جانتا تھا ان کے ساتھ مل کر وزیرستان، تیرہ اور مہمند علاقے میں رابطہ کر لوں۔[عبدالولی خان، حقائق حقائق ہیں، دیر ہاؤس، پشاور روڈ ، راولپنڈی،1988ء، صفحہ:201،200]

6- قائدا عظم نے حیدر آباد دکن کے نظام اور مسلمانوں کے لیے فرمایا تھا کہ اگر حالات انتہائی خراب ہو جائیں تو اپنے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنے کی بجائے لڑتے ہوئے جان دینا زیادہ افضل ہے۔سیدنا حسینؓ کی شہادت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ حق کے لیے جان دینا کتنی اہمیت کا حامل ہے۔[اے جی نورانی، دی ڈسٹکریشن آف حیدر آباد]

ظہورِ پاکستان

مدینہ منورہ کے سوا تیرہ سو سال بعد مدینہ ثانی "پاکستان "لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ ﷺ "کی بنیاد پر تمام کفریہ طاقتوں کی مخالفت، حق تلفیوں، ہر طرح کے ظلم و ستم کے باوجود 3 جون 1947 کو ہندوؤں اور انگریزوں کے اچانک سازشی تقسیمِ ہند کے اعلان

ہونے کے باوجود ظہور میں آیا۔ محض ستر دنوں میں مسلمانوں نے ہندوستان کے "مشرک کدے" سے نکل کر مدینہ ثانی پاکستان کی طرف صعوبتوں بھری لازوال ایثار، وفا اور احسان سے لبریز مبارک ترین ہجرت کی۔

مہینوں کے سردار مہینے رمضان المبارک میں راتوں کی ملکہ رات "لیلۃ القدر کی ستائیسویں رات جس میں فرشتے قرآن لے کر اترتے تھے، دنوں کے سردار جمعۃ الوداع کی مبارک رات، یہ مبارک ترین ریاست مدینہ ثانی پاکستان وجود میں آئی۔اس کے کنٹری کوڈ "92" کا مطلب حروفِ ابجد میں "محمد" بنتا ہے۔اتنی مبارکیں اکٹھی ہونا محض اتفاق نہیں ہے، یقیناً اللہ رب العالمین نے اس بابرکت ریاست سے بڑے کام لینے ہیں۔پاکستان کا ظہور مدتوں بعد امتِ مسلمہ کے دوبارہ احیاء کی بشارت بنا۔پاکستان صالحؑ کی اونٹنی کی طرح اللہ علیم و حکیم کی نشانی ہے۔اس کو جس نے بھی نقصان پہنچایا اس کے جرم کے لحاظ سے عبرت بنادیا گیا۔جس نے جتنا بڑا گناہ کیا اس کو سزا بھی اتنی بڑی ہی ملی۔ قائدِ اعظمؒ نے مظلوم جاپان کی عزت کے لیے 15 اگست کی بجائے 14 اگست کا دن یومِ آزادی تجویز کیا۔

الحمد للہ رب العالمین "پاکستان" مسلمانوں کی مسجد، مسلمانوں کا قلعہ، مظلوم اقوام کا محافظ اور ترجمان ہے۔ آیئے اپنی تاریخ کو دہراتے ہوئے مدینۃ الثانی پاکستان کو مکمل محفوظ بنا کر "مشرک کدے ہند" کو برہمنوں کے انسانیت شکن سسٹم (نظام، طرزِ حیات) سے انسانیت کو آزاد کروا کر محفوظ کریں۔ انسانیت کو انسانوں کے جبر و مکر سے نکال کر آزاد کروائیں۔

پاکستان پر ہندتوا کے استعماری حملے (1947)

قائدِ اعظمؒ نے بار بار قوم کو آگاہ کیا کہ جس ہمسایہ قوم سے آپ نے پاکستان لیا ہے وہ آرام سے نہ بیٹھے گی، لہٰذا اپنی تاریخ کی روشنی میں پاکستان کو ترقی دو اور اسے مضبوط قلعہ بنا دو۔ قائدِ اعظم نے 28:1948 فروری کو ریڈیو ڈھاکہ سے اپنی ایک نشری تقریر میں بنگالی سامعین سے پوچھا کہ کیا یہ انھی بھارتی سیاست دانوں اور بھارتی پریس کے ترجمانوں کا ایک مجرمانہ رویہ نہیں ہے جو کل تک قیامِ پاکستان کے مخالف تھے اب اچانک ان کا درد بھرا ضمیر جاگ اٹھا ہے اور وہ جو کہتے ہیں کہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے مطالبات جائز اور درست ہیں۔

قائدا عظم محمد علی جناحؒ نے 28مارچ 1948 کوڈھاکہ ریڈیوپر فرمایا! ہمیں وحدتِ ملی کا نظریہ ہر دم پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ ہم پہلے مسلمان ہیں پھر پاکستانی ہیں اس کے بعد کچھ اور یعنی سندھی، بنگالی، پنجابی بلوچی یا کوئی اور ہے اگر ہم نے یہ ترتیب بدل دی اور سندھی، بنگالی، پنجابی کی طرح سوچنا شروع کر دیا بجائے اس کے مسلمان اور پاکستانی کی طرح سوچیں گے تو پاکستان کا اتحاد پارہ پارہ ہو کر رہ جائے گا۔ ہندو جو ظہورِ پاکستان کی راہ نہیں روک سکا تھا اب یہی علاقائی عصبیت ابھار کر ہمیں اندر سے نقصان پہنچانے کے درپے ہے اور ان کا پہلا حملہ شاید مشرقی بنگال کے حقوق کی آواز میں پوشیدہ ہو۔ دوسرے موقع پر قائدا عظم نے صوبائیت کے خلاف وارننگ دی اور لوگوں کو صوبائیت کے زہر سے دور رہنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا کہ صوبے محض جغرافیائی اکائیاں ہیں لیکن دراصل ہم ایک قوم ہیں۔ تم نے وہ سبق بھلا دیا ہے جو 1300 سال قبل پڑھا تھا، ہم صرف مسلمان ہیں اور مسلمان ہیں۔ پھر انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں انتباہ کیا کہ وہ دشمن قوتیں جو قیامِ پاکستان کے خلاف تھیں اپنی ناکامی کے بعد قوم کو تقسیم کرنے کے درپے ہیں۔ ان کے جھانسے میں نہ آؤ۔ انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ تمہاری صفوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو بیرونی دشمنوں سے روپیہ لے کر انتشار پھیلا رہے ہیں، یہ تمہارے دشمن ہیں ان

سے ہوشیار رہو۔ تقریر کے آخر میں قائدا عظم نے پوچھا! کہ تم "انڈین یونین" میں واپس جانا چاہتے ہو تو لوگوں نے یک زبان ہو کر "نہیں، نہیں" کی آواز بلند کر کے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

صوبائیت آج بھی ہماری قومی سلامتی اور ملکی اتحاد کے لیے بڑا خطرہ ہے اور آج بھی ہماری صفوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو دشمنوں سے مالی امداد لے کر ملک میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔ یاد رکھیں! پاکستان کا مطالبہ علاقائی، صوبائی اور لسانی نہیں۔ یہ بنگالیوں، پنجابیوں، سندھیوں، بلوچیوں، پٹھانوں اور آسام والوں کی آزادی کا مطالبہ نہیں تھا یہ مسلمانوں کی آزادی کا مطالبہ تھا (یہ سب صوبے اس چمن کی خوبصورت پھول ہیں) اس مطالبے کے مقصود کو حاصل کرنے کی جدوجہد تھی، اگر ایسا نہ ہوتا تو ان علاقوں کے لوگ بھی تحریکِ پاکستان کے مجاہدین کے ساتھ نہ ہوتے جن علاقوں کو پاکستان میں شامل نہیں ہونا تھا۔

علاقائیت، لسانیت اور صوبائیت "روح" تحریکِ پاکستان نہ تھی بلکہ روح صرف اور صرف اسلامیت ہی تھی، لہٰذا ہمیشہ پاکستان کو مقدم سمجھنا چاہیے تاکہ اجتماعی اور وطنی مفاد کی راہ میں "انا" حائل نہ ہو۔ پاکستان پر ہر "انا" قربان کی جائے۔ ہم نے تو پیچھے ہندوستان

میں رہ جانے والے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ہم پاکستان کو مضبوط قلعہ بنا کر آپ کا دفاع کریں گے۔ 8 اپریل 1950 کا نہرو لیاقت معاہدہ بھی ہمیں کچھ یاد دلاتا ہے جس کی دونوں ممالک کی اسمبلیوں نے 10 اپریل 1950 کو توثیق کی تھی۔

قائد اعظمؒ نے 19 مارچ 1948 کے خطاب میں کہا کہ پاکستان کے قیام کو روکنے میں ناکامی پر پاکستان کے دشمنوں نے اپنی ناکامی پر منہ کی کھائی اور مایوس ہونے کے بعد اپنی توجہ مملکت پاکستان میں ابتری پھیلانے پر مرکوز کر رکھی ہے اور ان کی یہ کوششیں صوبائی تعصب پھیلانے کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔ جب تک آپ اپنے سیاسی وجود سے اس زہر کو نکال باہر نہیں کریں گے آپ یکجان نہیں ہوں گے۔ (عظیم سانحہ، ذوالفقار علی بھٹو، 1971، صفحہ 98)

لیاقت علی خان نے کہا کہ میں ہندوستانی حکومت کو اس بات پر موردِ الزام ٹھہراتا ہوں کہ اوّل تو اس نے کبھی بھی کھلے دل سے بٹوارے کے منصوبے کو تسلیم نہیں کیا لیکن اس کے رہنماؤں نے محض دکھاوے کے لیے اور برطانوی فوج کے ملک سے نکل جانے تک صرف زبانی طور پر تسلیم کیا۔ دوسرا ہندوستان ہمیشہ پاکستان کو تباہ کرنے کے درپے رہا ہے

جسے ہندوستان کے رہنما مستقل طور پر ہندوستان کا حصہ سمجھتے آئے ہیں۔(صفحہ 96، عظیم سانحہ ،ذوالفقار علی بھٹو، 1971)

1961 میں "گوا" پر ہندوستانی جبری قبضے کے بعد روزنامہ ڈان کے ایک اداریہ میں لکھا گیا کہ پاکستان بالکل "گوا" کی طرح خطرے سے دوچار ہے اور جیسے ہی ہندوستان خود کو اتنا مضبوط سمجھے گا وہ پاکستان کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ ہندوستانی اب بھی اپنے دلوں میں ان علاقوں کو جو پاکستان میں شامل ہیں بنیادی طور پر "اکھنڈ بھارت" سمجھتا ہے جس پر ایک دن ضرور "ہندوراج" قائم کریں گے۔(ڈان اخبار، قبضہ ہو گیا، اداریہ 1961)

1965 کی جنگ کے موقع پر صدر ایوب خان نے کہا تھا آج انہوں (ہندوستان) نے اپنے مکروہ عزائم کا مکمل ثبوت دے دیا ہے جو ہندوستان قیامِ پاکستان کے وقت سے پاکستانی کے خلاف رکھتا ہے۔ ہندوستانی حکمرانوں نے ایک آزاد پاکستان کے قیام کو تسلیم نہیں کیا جہاں مسلمان اپنے وطن کی تعمیر کر سکیں۔ گزشتہ 18 برسوں سے اس کی تمام فوجی تیاریوں کا مقصد پاکستان کے خلاف محاذ آرائی ہے۔(دستاویزات ایوب خان یکم ستمبر 1965، آرکائیوز ڈاٹ او آر جی)

22:1965 دسمبر کو اقوامِ متحدہ میں بھٹو نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ایک عظیم عفریت کا سامنا ہے۔ایک عظیم جارح دشمن کا جو ہمیشہ ہمارے خلاف جارحیت کا مرتکب ہوتا ہے، اپنی آزادی کے 18 برسوں کے دوران ہم نے دیکھا ہے کہ ہندوستان بار بار ہمارے خلاف جارحانہ کاروائیاں کرتا آرہا ہے۔ 1947 سے اب تک ہندوستان ہمارے خلاف جارحیت کی راہ اپنائے ہوئے ہے۔اس ملک نے جونا گڑھ، مناوادر، منگرول (جموں کشمیر) حیدر آباد اور گوا کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرتے ہوئے ان پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ 1947 سے ہمیں اس صورتحال کا سامنا ہے ہمیں یہ شروع سے ہی پتہ ہے کہ ہندوستان نے پاکستان کو ملیا میٹ کرنے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے۔(ویب سائٹ آرکائیوز، سلامتی کونسل میں بھٹو کی تقریر 22 ستمبر 1965)

پاکستان کے بارے ہندتوا عفریت کے خیال وخواہشات

قائداعظمؒ نے کئی بار فرمایا تھا کہ منزل کانگریس کی بھی وہی ہے جو ہندو مہاسبھا کی ہے فرق صرف یہ ہے کہ ہندو مہاسبھا والے کھل کر بات کرتے ہیں اور ہندو کانگریس والے

منافقت سے کام لیتے ہیں منزل دونوں کی یہ ہے کہ "ہندو، ہندی، ہندوستان" مسلمانوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ آزادی کا مطلب "ہندو راج"

جواہر لال نہرو، جسونت سنگھ، انڈین نیشنل کانگریس اور بی جے پی کے مقاصد ایک ہی ہیں فقط حکمتِ عملی جداگانہ ہے کابل سے کولمبو تک، برما سے افغانستان تک، انڈونیشیا سے مکہ تک ہندو راشٹر قائم کرنا۔

وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو ایک طرف تقسیم کی قرارداد پر دستخط کر رہے تھے اور دوسری طرف اپنی قوم سے کہہ رہے تھے کہ ہماری سکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے جائیں گے جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں گے ہمیں پھر ہندوستان میں مدغم کر لیجئے۔(ہندو کیا ہیں؟ انجمن اشاعت نظریہ پاکستان، مصنف غلام احمد پرویز صفحہ 25) پاکستان فیسز انڈیا صفحہ 99)

پنڈت جواہر لال نہرو نے جو ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم تھے ایک بار جوزف کاربل سے کہا تھا کہ ایک دن پاکستان کا بھارت سے آملنا ناگزیر امر ہے۔(ڈینجر ان کشمیر، صفحہ 137 جوزف کاربل)

جواہر لال نہرو کہتے ہیں ہم تو پاکستان کو ایک بالکل عارضی اور رفتنی اور گزشتنی واردات سمجھتے تھے اور ہمیں یقین تھا کہ پاکستان جلد از جلد ہندوستان سے آملے گا۔(برٹش راج، لیونارڈ موسلی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا)

چندر موہن گاندھی نے جولائی 1947 میں مشرقی بنگال میں کانگریس پارٹی سے کہا کہ وہ بنگال کو ایک تقسیم شدہ صوبہ نہ سمجھے۔(رُول آف انڈیا اِن دا ایمرجنس آف بنگلہ دیش، گوش سچیتا)

پٹیل وزیر داخلہ ہند نے کہا کہ جلد یا بدیر ہم دوبارہ ایک ملک بن کر اس کے وفادار رہیں گے۔(ڈاکٹر صفدر محمود، صفحہ 138، پاکستان تقسیم ہو گا)

پٹیل وزیر داخلہ ہند نے کہا کہ الگ ہو جانے والوں کو جلد اپنی حماقت کا احساس ہو جائے گا اور وہ جلد ہمارے پاؤں چھوئیں گے اور منت کریں گے کہ ہم انہیں اپنی پناہ میں لے لیں۔(صفحہ 259 پاکستان حصارِ اسلام، پروفیسر محمد منور)

سابق بھارتی صدر رادھا کرشن کہتے ہیں کہ ہندوستان کی تقسیم ایک ایسی اندوہ ناک غلطی ہے جسے ہندوستان کو سہنا پڑا۔(بھارتی کونسل برائے ثقافتی تعلقات، ویژن آف انڈیا صفحہ 180)

"بٹوارا" ایک سنگین غلطی تھی، برطانوی ہند کے دو جانشین ملکوں کا دوبارہ انضمام ضروری اور یقینی ہے۔(روزر چرڈ، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، انڈیاز کریئشن آف بنگلہ دیش صفحہ 43)

ستمبر 1947 میں سپریم کمانڈر اوشین لیک نے برطانوی وزیر اعظم کو پیغام بھیجا کہ مجھے یہ کہتے ہوئے ذرا تامل نہیں ہے کہ موجودہ ہندوستانی کابینہ نے سختی سے عزم کر رکھا ہے کہ وہ مملکتِ پاکستان کو مستحکم بنیاد پر قائم ہونے سے روکنے کے لیے تمام ممکنہ قوت استعمال کرے گی۔ مجھے اپنی رائے میں ان سینئر افسران اور در حقیقت تمام ذمہ دار برطانوی افسران کی متفقہ تائید حاصل ہے جو صورتحال سے آگاہ ہیں۔(فریڈم ایٹ مڈ نائٹ، صفحہ 340، لاری کولنز)

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر اچاریا کرپلانی کہتے ہیں نہ تو کانگریس نے اور نہ ہی ہندو قوم نے متحدہ ہندوستان کا دعوی ترک کر دیا ہے، اس کے مطابق ہندوستان نے جو آزادی حاصل کی ہے وہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو گی جب تک ہندوستان دوبارہ متحد ہو کر ایک نہ ہو جائے۔(جوزف کاربل، صفحہ 96، ڈینجر اِن انڈیا)

14 جون 1947 کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ایک قرارداد پاس کی کہ ہندوستان کی "صورت گری" اس کے جغرافیہ پہاڑوں اور سمندروں نے کی ہے اور کوئی انسانی کوشش اس کی ہیئت میں تبدیلی نہیں کر سکتی نہ اس کی حتمی منزل کی راہ میں حائل ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کا جو نقشہ ہمارے خوابوں کی سرزمین ہے وہ ہمارے دلوں اور دماغوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی دیانتداری سے یہ سمجھتی ہے کہ جب جذبات کا یہ طوفان کم ہو گا تو ہندوستان کے مسئلے کا اس کے صحیح پس منظر میں جائزہ لیا جائے گا اور دو قوموں کے باطل نظریے کا کوئی حامی نہیں مل سکے گا۔ (وی پی مینن، دی ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا، صفحہ 384) آل انڈیا کانگریس کی یہ قرارداد پاکستان کے ساتھ ہندوستانی رہنماؤں کے رویے پر ہمیشہ سایہ فگن رہی ہے۔

1947 کے بعد پاکستان اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ ہندوستانی رائے عامہ کے بااثر طبقے پاکستان کے وجود میں آنے کے سخت مخالف ہیں اور کھلم کھلا اس امید کا اظہار کرتے ہیں کہ پورا متحدہ برصغیر ایک نہ ایک دن نئی دلی کے ماتحت ہو جائے گا۔ پاکستان اپنی بقاء کا مصمم فیصلہ رکھتا ہے جبکہ ہندوستان کا ایک بڑا طبقہ اس کو توڑنے کی فکر میں ہے۔ (مشرقی پاکستان کا المیہ، رش بروک ولیم، صفحہ 77، نیویارک)

ہندو مہاسبھا کے لیڈر نے باآوازِ بلند یہ اعلان کیا کہ ہندوستان ایک ہے اور اٹوٹ ہے، اس وقت تک کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس کے علیحدہ کیے گئے حصے دوبارہ ہندوستانی یونین میں شامل نہیں ہو جاتے اور اس کے لازمی حصے نہیں بن جاتے۔

(پاکستان کی خارجہ پالیسی کی وضاحت، روٹ لیج، نیویارک، صفحہ 14)

راشٹریہ سیوک سنگ (آر ایس ایس) نعرہ لگاتی تھی کہ "پاکستان توڑ دو، نہرو حکومت چھوڑ دو"۔ نتھورام گوڈسے نے جنوری 1948 کو چندر موہن گاندھی کو قتل کر دیا، نومبر 1948 میں اسے پھانسی دی گئی۔ اس نے وصیت کی تھی کہ جب ہندوستان متحد ہو جائے تو میری راکھ دریائے سندھ کے منبع میں بہا دینا تاکہ وہ پوری وادی سندھ سے گزرتی ہوئی بحیرہ عرب میں جا گرے گویا اس کی راکھ ساری زمین کو پاک کر دے گی جو پاکستان بن جانے کے بعد پلید ہو گئی تھی۔ ہر سال نتھورام کے ماننے والے تجدید عہد کرتے ہیں جسے "گوڈسے کلٹ" کہتے ہیں۔ نتھورام گوڈسے کی راکھ اس کے بھائی گوپال داس گوڈسے نے محفوظ کر رکھی ہے وہ "گوا" میں رہتا ہے، اس نے اپنے مکان کے ایک کمرے کی دیوار پر متحدہ ہندوستان کا نقشہ بنا رکھا ہے اور اس نقشے کے نیچے ایک چاندی کے مرتبان میں نتھورام کی راکھ ہے۔ ہر سال 15 نومبر کو "گرو داسے" یعنی ہندو مہاسبھا کے قائد

"ساور کر" کے نام لیوا گوپال داس کے گھر میں جمع ہوتے ہیں کہ وہ نتھورام کا وچن (قول و عہد) پورا کریں گے اور بھارت کو دوبارہ متحد کر کے چھوڑیں گے۔ ساور کر ہندوؤں کی انتہا پسند جماعت "ہندو مہاسبھا" کا لیڈر تھا۔ (فریڈم ایٹ مڈنائٹ، لاری کولنز، صفحہ 453)

کلدیپ نئیر کے بقول در حقیقت بھارت نے قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہی مشرقی پاکستان پر قبضے کا پندرہ روزہ منصوبہ تیار کیا تھا۔ یہی وہ منصوبہ تھا جسے اب جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ (ڈسٹنٹ نیبرز، صفحہ 175)

جنوبی ایشیائی برِ عظیم کے تمام غیر ملکی ماہرین اس امر پر متفق ہیں کہ ہندو رہنماؤں نے پاکستان کی نوزائیدہ ریاست کا گلا گھونٹنے کے لیے ہر وہ اقدام کیا جو ان کے اختیار میں تھا۔ (نیویارک ہیرالڈ ٹربیون، 16 جون 1948)

مسٹر مہر چند مہاجن کہتے ہیں ہندوستان نے دسمبر 1947 کو فیصلہ کر لیا تھا کہ پاکستان کی سرحد پر حملہ کر دیا جائے لیکن بعض اندرونی مصلحتوں کی وجہ سے اس فیصلے پر عمل نہ کر سکے۔ (ہندو کیا ہیں؟ صفحہ 44)

برٹش انٹیلیجنس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پاکستان قائدِ اعظم نے بنا تو لیا مگر ہم اسے رہنے نہیں دیں گے۔ (میری آخری منزل، جنرل اکبر خان)

بہت سے ہندوستانی محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان کی تخلیق ایک سنگین غلطی ہے جسے اب بھی درست کیا جاسکتا ہے کم از کم جہاں تک مشرقی پاکستان کا تعلق ہے۔(پاکستان ایک سیاسی مطالعہ کیتھ کیلارڈ)

1965 کی جنگ میں بے وقاری کے بعد بھارتی وزیر دفاع چوان کہتے ہیں کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اسی دن مخاصمت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی جس دن پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا، پاکستان اور بھارت کے درمیان آئیڈیالوجی (نظریہ) کا اختلاف ہے،اس کے سوا کوئی اختلاف نہیں ہے۔یہ اختلاف اور دشمنی مہینے یا ہفتے بھر کی نہیں بلکہ سالہا سال تک رہے گی۔بھارت کو اس کے لیے تازہ اور فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار رہنا ہے۔(ہندو کیا ہیں؟ صفحہ 44)

ہندتوا عفریت کے پاکستان پر حملے وانتشار (1971)

دی السٹرٹیڈ ویکلی آف انڈیا کے مشہور مدیر اعلیٰ خشونت سنگھ کے مطابق مسز گاندھی نے مشرقی پاکستان کے قبضے کا منصوبہ بنایا اور اسے خود ترتیب دیا تھا۔کابینہ کے اجلاس میں اندرا

گاندھی نے جنرل مانک شا کو خبردار کیا کہ وہ مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے تیار رہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مانک شا نے جواب دیا کہ اس کا مطلب ہوگا کہ پاکستان کے اوپر حملہ ،اندرا گاندھی نے کہا ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ (میجر کے پراول،انڈین ارمی آفٹر انڈیپینڈنس، صفحہ 317)

مسز اندرا گاندھی نے امریکی صدر رچرڈ نکسن کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ پاکستان ایک غیر فطری ریاست ہے جسے کسی بھی حالت میں ٹوٹنا تھا ہندوستان صرف یہ کر رہا تھا کہ پہلے کی گئی غلطی کو درست کر دے۔ پاکستان جلدی میں کی گئی غلط تعمیر تھا جو ہندوستان کے لیے نفرت سے جڑا تھا، نہ بلوچستان اور نہ ہی سرحد صحیح طریقے سے پاکستان کے ہیں۔ (ڈاکٹر ہینری کیسنجر صفحہ 881،وائٹ ہاؤس ایئرز)

1972 میں انڈین ٹی وی پر روسی صحافیوں کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا! نہرو ناکام سیاستدان تھے کیونکہ وہ برصغیر کی تقسیم کو نہ روک سکے، پاکستان کو توڑنا اور متحدہ بھارت کو دوبارہ وجود میں لانا،اندرا گاندھی کا مقصد حیات تھا اسی کے طفیل اسے اپنی عظمت ثابت کرنا تھی۔ "پاکستان" ہندوستان میں ماضی کی شان اور اسلام کا نقشہ تھا اندرا گاندھی اسے مٹانے کے درپے تھی۔ (حصارِ اسلام، پروفیسر منور، 280 صفحہ)

1971:31 نومبر کو اندرا گاندھی نے جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بھارت نے پاکستان کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ بھارتی رہنما ہمیشہ اس بات پر یقین کرتے آئے ہیں کہ پاکستان کو قائم نہیں ہونا چاہیے تھا اور پاکستانی قوم کو قائم رہنے کا کوئی حق نہیں۔ (پاکستان بھی خارجہ پالیسی کی وضاحت، صفحہ 138)

ہندوستانی وزیر خارجہ سورن سنگھ نے کہا کہ اگر عوامی لیگ کے لیے قابل قبول کوئی حل نہ لایا گیا تو ہندوستان خود کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ (سن آر لیوائی اینڈ روز، صفحہ 151)

ہندوستان کے وزیر دفاع جگ جیون رام نے کہا کہ ہندوستانی فوج کو پاکستان میں پیش قدمی کی اجازت دے دی گئی ہے اور ہندوستان پاکستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دے گا۔ (ڈان کراچی 18 اگست 1972)

کے سبرامینیم سوامی نے 31 مارچ 1971 کو کہا کہ ہندوستانیوں کو اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ پاکستان کا ٹوٹنا ہمارے مفاد میں ہے اور آپ کو یہ موقع (مشرقی پاکستان کا بحران) دوبارہ میسر نہیں آئے گا۔ (انڈین کونسل برائے عالمی امور، سمپوزم 31 مارچ 1971 انٹرویو کے سبرامینیم)

رکن پارلیمنٹ سبرا مینیم سوامی کہتے ہیں کہ ہندوستان کی بڑی قوت پاکستان کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ بھارتی قوم پرست بچے کھچے پاکستان کو بھی توڑنا چاہتے ہیں، اکھنڈ بھارت کا حصول اسی طرح ممکن ہے۔(دی آرگنائزر، دہلی 13 جولائی 1974)" جن سنگھ "متشدد ہندو تنظیم کے رہنما ٹھاکر پرساد کہتے ہیں کہ ہمیں اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھنا چاہیے جب تک پاکستان تباہ نہ ہو جائے اور بھارت کے ساتھ نہ مل جائے۔(نیشنلسٹ تنزانیہ 30 اکتوبر 1971)

کلدیپ نیئر اپنی کتاب "دور کے پڑوسی" میں لکھتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کا بحران شروع ہونے پر ہندوستانی بہت خوش تھے کہ ان کا دشمن پاکستان مصیبت میں مبتلا ہے۔

نرداسی چوہدری لکھتا ہے کہ 1947 سے 1970 تک پاکستان کو اپنی نشیب و فراز سے بھرپور زندگی میں ہندوستان کی مسلسل معاندانہ پالیسی کا سامنا کرنا پڑا اور یہ پالیسی 1970 کے انتخابات کے بعد اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ اس کے بعد ہندوستان عملی اقدام کے لیے صرف مناسب حالات کی تلاش میں تھا جو روسی امداد کی شہ ملتے ہی اسے میسر آگیا اور ہندوستان نے وار کرنے میں دیر نہیں کی۔(لندن دی ٹائمز 21 دسمبر 1971)

بھارتی عوام کے ذہنوں میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ پاکستان کو توڑے بغیر بھارت سپر پاور کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔(دی مدر لینڈ، ایس سوامی، نیو دہلی 15 جون 1971)

پروفیسر گاری باس، پرنسٹن یونیورسٹی جو کے کئی کتب کے مصنف ہیں وہ لکھتے ہیں کہ جون 1971 میں اس وقت کے بھارتی وزیر خارجہ سوران سنگھ نے (امریکی) ہندوستانی سفارت کاروں کو مغربی پاکستان کو بھی توڑنے کے مختلف طریقوں کے بارے میں خفیہ بات چیت کے دوران کچھ تفصیلات بتائیں مثلاً یہ کہ بلوچستان اور شمالی مغربی صوبہ سرحد میں بغاوت کو ہوا دی جائے تاکہ یہ علاقے بنگلہ دیش کی پیروی کریں۔(امریکی آرکائیوز، سفارتی ٹیلی گرامز، صفحہ 121)(The Blood Telegram,Kissinger,Nixin and Forgotton (Genocide, p120

"مشن را بائے یاتش یادو" اس کتاب میں را کے خفیہ آپریشنز کا احاطہ کیا گیا ہے جس میں 1971 کے بعد بلوچستان اور پاکستان کے دیگری حصوں میں ایجنسی کی سرگرمیوں کے بارے میں بتایا گیا۔ نیشنل سیکیورٹی آرکائیوز آن 1971 وار، ڈی کلاسیفائیڈ امریکی دستاویزات، امریکی آرکائیوز میں 1971 کے دوران بھارتی حکمت عملیوں کے بارے

میں دستیاب ہیں۔ جن میں بلوچستان اور سرحدی صوبوں میں بغاوت کی تجاویز شامل ہیں۔

1967 میں بھارتی آئی بی کے سینئر آفیسر (را کے بانی سربراہ) رامیشور ناتھ کاؤ کے ساتھ مل کر منصوبہ بنایا جس کا مقصد مشرقی پاکستان، بلوچستان اور سرحد میں بغاوت کرانے کے لیے کاؤ پلان پر عمل کرنا تھا۔

سوویت یونین

1971 کی پاک بھارت جنگ کے دوران سوویت یونین اور بھارت گٹھ جوڑ اپنے نتائج کے اعتبار سے فیصلہ کن ثابت ہوا۔ سوویت یونین کی طرف سے ملنے والی فوجی امداد اور سفارتی تعاون اور سلامتی کونسل میں سوویت یونین کے کردار نے بھارت کے لیے مشرقی پاکستان پر حملے کو بہت آسان بنادیا۔ (دی سنڈے ٹائمز لندن 9 دسمبر 1971)

بین الاقوامی کالم نگار اینڈرسن کے مطابق بھارت میں سوویت یونین کے سفیر نکولائی ایم پی گوف نے 13 دسمبر کو بھارت سے وعدہ کیا تھا کہ ہم چین کی توجہ ہٹانے کے لیے سنکیانگ میں چینیوں کے خلاف فوجی اقدام کرنے کے علاوہ ساتویں بحری بیڑا کی طرف سے

ممکنہ مداخلت کی روک تھام بھی کریں گے۔(امریکی کانگریس کو صدر نکسن کی خارجہ پالیسی رپورٹ 9فروری 1972)

سوویت یونین نے چین کے خلاف اپنی فوج کو سنکیانگ سرحد پر مزید آگے بڑھا بھی دیا تھا۔(اینڈرسن پیپرز، صفحہ 261)

اس کے علاوہ سوویت یونین نے بھارت کو 70 ملین ڈالر مالیت کے ٹینک، جنگی طیارے، میزائل، آبدوزیں، میزائل بردار کشتیاں اور بھاری جنگی سامان مہیا کیا۔اس موقع پر روسی ٹرانسپورٹ طیارہ جدید جنگی ہتھیار اور سام میزائل لے کر بھارت پہنچا، اس طیارے میں سوویت یونین کے انسٹرکٹر بھی موجود تھے۔ تین روسی ہوابازوں کو جنگ کے دوران بھارت کے جنگی طیارے اڑاتے دیکھا گیا۔اس طرح بھارتی میزائل بردار کشتیوں پر روسی فوجیوں کی تعیناتی کی اطلاعات بھی منظر عام پر آئیں۔(دی ڈیلی ٹیلیگراف، لندن 28فروری 1971)

اس کے بعد سوویت یونین کی طرف سے بھارت کو ٹینک، راکٹ اور مگ 23 طیارے وغیرہ مہیا کیے گئے۔ بعض اطلاعات کے مطابق پاکستان کے خلاف جنگ میں حصہ لینے

والے بھارتی جنگی طیاروں اور میزائل بردار کشتیوں پر سوویت یونین کی فورسز کے لوگ متعین تھے۔(دی ڈان 10 دسمبر 1971، ڈیلی ٹیلی گراف، لندن 28 دسمبر 1971)

کیونکہ بھارتی فوجی انہیں چلانے کی مہارت سے محروم تھے۔ سوویت یونین نے بھارت کو پیشکش کی کہ وہ مصر سے مگ 21 اور 16 ٹی- یو بمبار طیارے بھارت منتقل کرنے کے لیے تیار ہے۔(دی نیویارک ٹائمز، 31 مارچ 1972، ہیرلڈ ٹربیون، 17 جنوری 1972)

کل فوجی اور معاشی امداد کا وعدہ کیا گیا اس کا تخمینہ ایک ارب ڈالر تھا۔(وار اینڈ سسیشن، پاکستان—انڈیا اینڈ کریئشن آف بنگلہ دیش، صفحہ 243)

جنرل یحییٰ خان لکھتے ہیں جب مغربی پاکستان پر ہندوستان نے بھرپور حملے کیے شروع تو یہ حملے صرف ہندوستانی فوج کی طرف سے نہیں کیے گئے بلکہ ان کو روسیوں کی بھرپور اور فعال مدد حاصل تھی نہ صرف روسی ہوائی جہازوں، بندوقوں، توپوں اور میزائلوں کی شکل میں ہندوستان کو مادی امداد کھلے عام دی گئی بلکہ اب یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ روسی عملاً بھرپور طور پر بھارتی افواج کا ساتھ دے رہے تھے۔اس کی دو نمایاں مثالیں روسی ساخت کے تقریباً نصف درجن بڑے ہوائی جہازوں کا استعمال ہے جو ہماری فضائیہ کے ایئر مینوں اور آپریٹروں نے مغربی پاکستان کے محاذ پر مغربی اور جنوبی سیکٹروں میں

دیکھے، یہ ہوائی جہاز فضائی قلعہ بندیوں اور نگرانی کے لیے ہوتے ہیں ان میں سے ایسے بر قی آلات نصب تھے جو ہندوستانی پائلٹوں کو پاکستان میں اہداف کی نشاندہی کرتے ہیں اور جب پاکستانی جہاز ہندوستانی ہوائی جہازوں کے تعاقب میں جاتے تھے ان روسی جہازوں میں نصب یہ برقی آلات ہندوستانیوں کو اس تعاقب سے آگاہ کر دیتے تھے۔ یہ انتہائی جدید ترین تکنیکی اور فنی سہولتیں تھیں جو روس نے ہندوستانی فضائیہ کو فراہم کی تھیں اور جن کی وجہ سے اُس دورِ جدید میں فضائی جنگ کا نقشہ ہی بدل کر رہ گیا تھا۔ اس کا انکشاف ہماری فضائیہ کے کمانڈران چیف نے کیا۔ دوسرے کراچی کے قریب کی گئی کشتیوں میں نصب طویل فاصلے کی مار کرنے والے نصب میزائلوں میں آلات سے بھی اس حقیقت کا علم ہوا، بعد میں اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ ہندوستانی جنگی کشتیوں میں نصب ان میزائلوں کے ذریعے ہی کراچی کی بندرگاہ پر ہمارے تیل کے ٹینکوں کو نشانہ بنایا گیا۔ یہ ایک حیرت انگیز اور قابل قدر کارنامہ ہے کہ ہماری فضائیہ نے بے حد مشکلات اور سنگین حالات کے باوجود کس طرح دشمن کے تقریباً ڈیڑھ سو ہوائی جہاز تباہ کر دیئے۔ اگر ہندوستانی فضائیہ کو روس کی بھرپور امداد حاصل نہ ہوتی تو اتنی بڑی تعداد میں جنگی ہوائی جہازوں کا نقصان بھارتی فضائیہ کے لیے ایک بڑا دھچکا تھا لیکن روس کی طرف سے ہندوستان کو اتنی بڑی

تعداد میں ہوائی جہازوں اور جنگی ساز وسامان اور جدید ترین آلات کی فراہمی کی وجہ سے اتنے بڑے نقصان کی اہمیت کم ہو کر رہ گئی۔(بنگلہ دیش کی تخلیق، فسانے اور حقائق، ڈاکٹر جنید احمد، صفحہ 53)

ادھر سلامتی کونسل میں سوویت یونین نے پاک بھارت تنازع کے پر امن حل کے لیے پیش کی جانے والی قراردادوں کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ سلامتی کونسل میں سوویت یونین کا نمائندہ بھارتی نمائندے سے یہ پوچھتا ہوا سنا گیا کہ بھارت ڈھاکہ تک پہنچنے میں کتنا وقت لے گا؟ سوویت یونین کو بھارتی فوج کی یلغار کی سست روی پر اتنی تشویش تھی کہ اس نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے اپنے فرسٹ ڈپٹی وزیر خارجہ کوزٹ زود کو دہلی بھیجا۔ مارشل پیول ایس کوٹاکھو، ڈپٹی وزیر دفاع اور سوویت فضائیہ کے چیف آف سٹاف خود نئی دہلی میں موجود تھے۔ مزید ہندوستان پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ مشرقی بنگال میں جلد آگے بڑھے کیونکہ اب وہ اس جنگ کو ختم جلد ختم کرنا چاہتے تھے کیونکہ اقوام متحدہ میں سوویت یونین کے خلاف دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

پوری پاک وہند جنگ میں سوویت یونین ہندوستان کو اپنی بھرپور عسکری اور سفارتی امداد دینے سے پیچھے نہیں ہٹا۔(اینڈرسن پیپرز، صفحہ 263، نیویارک)

یہ تھے وہ تناظر جس میں سوویت یونین پر بنگلہ دیش کے ڈرامے کا اصل ہدایت کار ہونے کا الزام لگایا گیا تھا۔ حالات نے ثابت کر دیا کہ روس پر بنگلہ دیش کیے ڈرامے کا حقیقی ہدایت کار ہونے کا الزام بالکل بجا تھا۔ (ڈان کراچی، 12 دسمبر 1971، دی آر سی این اے، ڈاکو منٹری)

اگست 1971 کو ماسکو اور نئی دہلی کے درمیان امن دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے گئے۔ کسی کو بھی کسی حملے یا دھمکی آنے کی صورت میں معاہدے میں شامل فریقین ان دھمکیوں کو ختم کرنے کے لیے اور ان ممالک کے امن اور تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے باہمی مشوروں میں فوراً مصروف ہو جائیں گے۔

مرارجی ڈیسائی سابق بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کے بارے میں کہتے ہیں کہ معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد وہ "شیطان" کے ساتھ بھی اتحاد کریں گی اگر انہیں لگا کہ ان کا نصب العین پورا ہو جائے گا۔ (نیو ریپبلک، صفحہ 163، اگست 1975)

معاہدے پر دستخط کرنے کے فوراً بعد مشرقی پاکستان پر حملے کے لیے منصوبے دیکھنے کی خاطر روسی رہنماؤں کا ایک گروہ نئی دہلی پہنچا۔ ائیر مارشل "پی ایس کٹا کو" ان میں سب سے نمایاں تھے۔ بھارت نے سوویت یونین کو بتلایا کہ وہ پاکستان کے خلاف طاقت

استعمال کرے گا تاکہ سوویت یونین مزید فوجی امداد فراہم کرے۔ اکتوبر 1971 میں صدر نکولائی اور ڈپٹی وزیر خارجہ نکولائی فریوبن کے دورے کے بعد پاکستان کے خلاف حکمتِ عملی پر اتفاق ہو گیا۔ بعد میں "کٹاکو" نئی دہلی گئے تاکہ ہندوستان کو مزید اسلحہ پہنچانے کا کام مکمل کیا جائے۔ (وار اینڈ سسیشن، پاکستان اینڈ انڈیا اینڈ کریئیشن آف بنگلہ دیش، سن اینڈ لیوائی روز، صفحہ 201)

مشرقی پاکستان میں ہندوستان کی مداخلت واضح ہو گئی۔ بھارتی گوریلوں اور مکتی باہنی کو پاکستان فورسز نے دبالیا۔ بھارت کو بخوبی پتہ چل گیا کہ اگر پاکستان کو فوری شکست نہ دی گئی تو پھر پاکستان کے خلاف سالوں لگ جائیں گے۔ بھارت کو یہ بھی خوف تھا کہ عوامی لیگ میں بھارتی ہمدردی رکھنے والے لیڈر کمزور ہو گئے تو بھارتی کنٹرول ختم ہو جائے گا۔ مشرقی یا مغربی پاکستان میں پیچیدہ ترین ہتھیاروں کی بڑی آمد برصغیر میں حکمت عملی توازن کو تبدیل کر سکتی تھی، بھارت پر پابندیاں بھی لگ سکتی تھیں کیونکہ اس نے بین الاقوامی قوانین کو روندا تھا، بھارتی فورسز مشرقی پاکستان میں پھنس نہ جائیں، دلدلی علاقے اسے روک نہ لیں۔ (سویت یونین پاکستان سے اپنی دیرینہ مخالفت اور بھارت سے معاہدوں کی خواہش کی وجہ سے جلد میدان میں آگیا۔)

1982 مارچ میں روسی وزیر دفاع کے دورہ بھارت کے موقع پر اکانومسٹ نے بجا طور پر تبصرہ کیا تھا کہ برصغیر میں فوجی طاقت کا توازن واضح طور پر بھارت کے حق میں ہے اور مارشل استنوف کے دورے کے نتیجے میں روسی اسلحہ کی فراہمی کے بعد یہ توازن مزید فیصلہ کن ہو جائے گا لیکن اس کے باوجود بھارت پاکستان کے مبینہ خطرے کو بنیاد بنا کر سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ (دی مسلم، 9 اپریل 1984)

1980 میں اقوام متحدہ میں آغا شاہی اور گرمیکو کی ملاقات ہوئی جس میں گرامیکو نے پاکستانی وزیر خارجہ سے احتجاجی لہجے میں کہا کہ "یوں محسوس ہوتا کہ آپ ہمارے خلاف جنگ لڑنا چاہتے ہیں" (دی مسلم 15 ستمبر 1981 مشاہد حسین سید کا مضمون)

روس کے ڈپٹی وزیر خارجہ نے بیان دیا کہ پاکستان روس سے جنگ کر رہا ہے۔ (پاکستان فارن پالیسی ان 1985، دی مسلم، جنوری 1985)

پاکستان میں روس کے سفیر نے ایک بیان میں الزام لگایا کہ وہ بغیر اعلان کیے افغانستان کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے اور یہ کہ اس نے اپنی زمین پر افغان مجاہدین کے تربیتی کیمپ قائم کر رکھے ہیں۔ (پاکستان کی تاریخ و سیاست ڈاکٹر صفدر محمود)

پاکستان میں مقیم روسی سفیر نے پاکستان کو سنگین نتائج کی دھمکی بھی دی کہ روس پاکستان کو سبق سکھانا چاہتا ہے۔

اسرائیل

اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان نے بہت پہلے کہا تھا (جیسا کہ جیوش کرانیکل 9 اگست 1967 میں پرنٹ ہوا تھا) عالمی صیہونی تحریک کو پاکستان کی طرف سے خطرات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور اب سے پاکستان ہمارا پہلا ہدف ہونا چاہیے کیونکہ یہ نظریاتی ریاست ہمارے وجود کے لیے خطرہ ہے۔ پورا پاکستان یہودیوں سے نفرت کرتا ہے اور عربوں سے محبت کرتا ہے، عربوں سے محبت کرنے والے ہمارے لیے خود عربوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ اس معاملے میں عالمی صیہونیت کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ وہ اب پاکستان کے خلاف اور اقدامات کرے جبکہ جزیرہ نما ہندوستان کے باشندے ہندو ہیں جن کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ اس لیے پاکستان کے خلاف کام کرنے کے لیے ہندوستان ہمارے لیے سب سے اہم اڈہ ہے۔

یہ ضروری ہے کہ ہم اس اڈے سے فائدہ اٹھائیں اور پاکستانیوں یعنی یہودیوں اور صہونیت کے دشمنوں کو اپنے تمام خفیہ منصوبوں سے کچل دیں۔

- مغرب میں ذرائع ابلاغ کے بڑے حصے پر قابض صیہونی لابی نے بھارت کا کھل کر ساتھ دیا دراصل تل ابیب (اسرائیل) نے مغربی دنیا میں بسنے والے اپنے پیروکاروں کو یہ پیغام بجھوایا کہ وہ بنگالی علیحدگی پسندوں کی اخلاقی اور مالی مدد کریں اور اس ضمن میں بھارت سے تعاون کریں۔ (مشن ٹو واشنگٹن، قطب الدین عزیز صفحہ 57)
- فرانس میں ہندوستان کے سفیر ڈی این چٹر جی نے 6 جولائی 1971 کو وزارت خارجہ کے نام ایک خط میں یہ لکھا کہ پاکستان کے خلاف بھارتی پر چار مالی فوائد حتیٰ کہ اسلحہ گولہ بارود اور پٹرول کا حصول اسرائیلی مدد ایک گراں تحفہ ہو گا۔ (A Global History of The Creation of Bangladesh, p 181, Raghwan Srinath)
- اندرا گاندھی نے اس پالیسی کی خفیہ طور پر بہت حمایت کی۔ راگھوان نے اپنی کتاب میں مزید انکشاف کیا ہے کہ "اندرا گاندھی مکتی باہنی کی تخریبی کارروائیوں

کی مدد کے لیے اہم ہتھیاروں، گولہ بارود خصوصاً بھاری توپ کے گولوں کے حصول کی درخواست لے کر اسرائیل جا پہنچیں۔ A Global History of The Creation of Bangladesh, p (, Raghwan Srinath،202

- 12 نومبر 1971 کو بھارت نے دہلی میں اسرائیل سے اسلحہ کی خریداری کے ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسلحہ امریکی ساختہ تھا اور اسلحہ کی اس فراہمی پر امریکہ کی طرف سے کوئی اعتراض نہ کیا گیا اور نہ روس نے جو کہ مشرق وسطیٰ میں عربوں کی حمایت کر رہا تھا اس پر احتجاج کیا لیکن جب اردن اور سعودی عرب نے پاکستان کو فوجی ساز و سامان دینے پر آمادگی ظاہر کی تو امریکہ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ (صفحہ 172، پاکستان کیوں ٹوٹا؟ ڈاکٹر صفدر محمود)

امریکہ

پاکستان میں ہمیشہ سے یہ احساس موجود رہا ہے کہ امریکہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسند رجحانات کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے۔ 1962 میں پاکستان کے سابق گورنر جنرل

وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے ایک بیان میں کہا کہ عالمی طاقت جو ہمیں اقتصادی اور فوجی امداد دے رہی ہے وہ پاکستان کو تقسیم کرنا چاہتی ہے اور مشرقی پاکستان کے عوام کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے کے لیے بھڑکا رہی ہے۔(ڈان کراچی 20 ستمبر 1962)

پاکستان کے سیاسی حلقوں کے خیال میں امریکہ نے عوامی لیگ کو رقوم مہیا کیں تھی اور شیخ مجیب کو امریکی حکومت کی مکمل پشت پناہی حاصل تھی۔ شیخ مجیب نے مارچ 1971 میں متوازی حکومت کا اعلان کیا تو بعض اطلاعات کے مطابق امریکی سینٹ میں بنگلہ دیش کی حکومت کو اقتصادی امداد دینے پر غور کیا گیا۔ امریکہ کے یہ تمام اقدامات غیر دوستانہ طرزِ عمل سے تعبیر کیے گئے۔(پاکستان تاریخ وسیاست، ڈاکٹر صفدر محمود، صفحہ 196)

سابق سفیر اور صحافی واجد شمس الحسن لکھتے ہیں کہ ایک نیوز ایجنسی نے خبر دی کہ امریکی سی ائی اے نے ساؤتھ ایشیا میں ایک نئی ریاست بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اس کا نام "بنگ سام" ہے بنگ سے مراد بنگلہ دیش اور سام سے مراد آسام تھا۔ وہ خبر میں نے دو کالمی فرنٹ پیج پر لگا دی اس خبر پر امریکی قونصلیٹ بہت ناراض ہوا۔ ایک ہفتے بعد ایک لفافہ ملا جو کسی نامعلوم شخص نے ایڈیٹر ڈیلی نیوز کے نام پوسٹ کیا۔ لفافے میں امریکی اسٹیٹ

ڈیپارٹمنٹ کی کچھ خفیہ رپورٹس تھیں جن میں کہا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان میں کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے جا رہا ہے۔ یہ کاغذات دہلی میں امریکن ہائی کمشنر آفس سے لیک ہوئے تھے۔ میر خلیل الرحمن نے یہ ڈاکومنٹ جنرل ایوب کو پہنچا دیئے۔ ایوب خان نے ڈائریکٹر جنرل آئی بی "این اے رضوی" کو بلایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس کی انکوائری کریں، ان دستاویزات میں شیخ مجیب الرحمن اور معظم علی کا بھی نام تھا کہ یہ لوگ اس پلان کو سپورٹ کر رہے ہیں۔ جب پہلی بار میں نے ان دستاویزات کو پڑھا تو ساری رات سو نہ سکا۔ چند سال بعد پھر وہی ہوا، جو اس ڈاکومنٹ میں لکھا تھا۔

افغانستان

3 جون 1947 کو تقسیمِ ہند کے اعلان کے بعد افغانستان کے ذرائع ابلاغ میں آزاد پٹھانستان کے حق میں پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔

9 جون کو کابل ریڈیو کی نشریات میں کہا گیا کہ ڈیورنڈ لائن (پاک افغان سرحد) اور دریائے سندھ کے درمیان بسنے والوں کو ہندوستان کے دوسرے حصوں کی طرح اپنا راستہ منتخب اختیار کرنے دیا جائے۔ (پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد نمبر 8 زاہد چوہدری)

اس دور کے افغان اخبار "انیس" نے اس معاملے کو اقوامِ متحدہ میں لے جانے کا مطالبہ کیا۔

11 جون کو افغان وزیر خارجہ علی محمد نے کابل میں متعین برطانوی سفیر سے ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد کی عوام کو پاکستان یا ہندوستان میں کسی ایک کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور نہ کیا جائے بلکہ انہیں آزاد افغانستان بنانے کی چوائس دی جائے۔

20 جون کو افغانستان کی حکومت نے برطانوی حکومت کو مراسلہ ارسال کیا کہ صوبہ سرحد کے افغان دراصل افغانستان کا حصہ ہیں۔ جسے اینگلو افغان لڑائیوں کے بعد برطانیہ نے اپنے قبضے میں لیا تھا چنانچہ صوبہ سرحد کی عوام کو آزاد ریاست بننے یا اپنے مادرِ وطن افغانستان میں شامل ہونے کا اختیار دیا جائے۔

30 ستمبر 1947 کو اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں افغانستان کے نمائندے حسین عزیز نے پاکستان کو اقوامِ متحدہ کی رکنیت دینے کی مخالفت کی تھی۔ پھر نومبر 1947 میں افغانستان کے نمائندے نے کہا کہ افغانستان کے ووٹ کو منفی نہ سمجھا جائے۔ پاکستان اور افغانستان کے نمائندے مذاکرات کے ذریعے اپنے مسائل حل کر لیں گے۔

سانحہ ٔمشرقی پاکستان۔ بنگلہ دیش

بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے 1947 میں تقسیم کے بعد سے ہی مشرقی بنگال کو بھارت میں دوبارہ ضم کرنے کے لیے کوششیں شروع کردی تھیں اور اب عوامی لیگ اور اس کے رہنما شیخ مجیب کی صورت میں انہیں اپنے منصوبے پورے ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ (بسنت چٹرجی، انسائیڈ بنگلہ دیش ٹوڈے)

شیخ مجیب نے جنوری 1972 میں ڈھاکہ رمنا ریس کورس میں خطاب کرتے ہوئے کہا! میں اس آزادی کے لیے گزشتہ 25 سالوں سے کوشش کر رہا تھا، میرا خواب اب شرمندہ ٔ تعبیر ہوا ہے۔ (قطب الدین عزیز، صفحہ 4، مشن ٹو واشنگٹن) شیخ مجیب نے بنگلہ دیش بننے کے بعد کہا تھا کہ 1948ء سے آزادی کی تحریک شروع ہوئی ہے جو 1952، 1954، 1962، 1968 اور 1969 میں تیزی پکڑتی ہے اور 1971 میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ (پاکستان سے بنگلہ دیش، صفحہ 63، بنگالی کرنل شریف الحق)

شیخ مجیب نے ڈیوڈ فراسٹ کو ٹیلی ویژن انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ وہ 1948ء سے بنگلہ دیش کی آزادی کے لیے کام کر رہے تھے۔(لندن ویک اینڈ ڈیلی ٹیلی ویژن 16 جنوری 1972)

پاکستان بنتے ہی پاکستان کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں تھیں غیر ملکی مداخلت سے ۔ جیسے 1952 کی زبان کی تحریک، 1957 میں مولانا بھاشانی کی "السلام علیکم"، 1969 میں عوامی بغاوت، سراج شیکدار کے ڈیموکریٹک ایسٹ بنگال پلان کا اعلان، قاضی ظفر کی انڈیپینڈنٹ پیپلز ڈیموکریٹک ایسٹ بنگال ایکشن پلان کا اعلان، 1970 میں مولانا بھاشانی کے آزاد مشرقی پاکستان کا اعلان، مشرقی بنگال انقلابی طلبہ یونین کا 1970 کا پیپل ڈیموکریٹک اسٹیٹ اسٹیبلشمنٹ ایکشن پلان، 1971 میں نئے سال کے آغاز پر مجاہد سانگہ کا انڈیپینڈنٹ ایسٹ پاکستان فریم ورک، مزدور پاکستان سوشلسٹ پارٹی کا انقلابی حکومت کے قیام کا مطالبہ اور بائیں بازو کے گروپس کی جانب سے وقفے وقفے سے ہونے والی اِکا دُکا گوریلا کارروائیاں۔(پاکستان سے بنگلہ دیش، ان کہی جدوجہد۔ مصنف کرنل وسفیر شریف الحق، صفحہ 87)

سواد ھین۔بنگو بھومی تحریک کے رہنما "کالی داس بیدی "اپنی کتاب "آنتو ریلر شیخ مجیب "
میں لکھتے ہیں کہ یہ امر بے حد حیران کن ہے کہ اگرتلہ سازش کیس کا تذکرہ ہو یا شیخ مجیب
کی بھارتی حکام سے خفیہ ملاقاتوں کا تذکرہ۔بنگلہ تاریخ نے اس سلسلے میں خاموشی سادھ
رکھی ہے حالانکہ دونوں طرف کے اعلیٰ عہدے داروں کے درمیان ملاقاتوں اور رابطوں
کا یہ سلسلہ 50 کی دہائی میں ہی شروع ہو چکا تھا۔انہی ملاقاتوں کے نتیجہ جنوری 1966
میں شیخ مجیب کے مشہورِ زمانہ 6 نکات کی صورت میں سامنے آیا۔

اشوک رائنا اپنی کتاب "را کی اندرونی "کہانی میں لکھتے ہیں کہ اس دور کے "را" کے سربراہ
کے شنکرہ نائر نے انہیں بتلایا کہ 1962 اور 1963 میں جب علیحدگی پسندوں کے گروہ
نے "اگرتلہ "مقام پر ان سے ملاقات کی تو وہ وفاق کے خلاف اعلانِ جنگ کرنے کے لیے
بے تاب تھے۔اس ملاقات میں بھارتی حکومت اور شیخ مجیب کے مابین یہ بھی طے پایا تھا کہ
حکومت اور مسلح افواج میں شامل بنگالی افسران کی برین واشنگ کی جائے اس کے لیے
عوامی لیگ کے رہنماؤں کو خصوصی ٹاسک دیا گیا کہ وہ ان افراد سے راہ رسم بڑھائیں اور
ان کے سامنے بنگالیوں کے استحصال کے معاملے کو بڑھا چڑھا کر بیان کریں۔

بنگلہ دیش کے ڈپٹی سپیکر کرنل ریٹائرڈ شوکت علی کے بقول شیخ مجیب کے 1963 سے ہندوستان سے تعلقات تھے "اگرتلہ "سازش سچ ہے، حکومتِ پاکستان نے درست مقدمہ بنایا تھا۔ شیخ مجیب کی قیادت ور ہنمائی میں "سنگرام پریشد" بنا کر پاکستان سے علیحدہ ہونے کا پروگرام 1960 میں بنایا گیا تھا اور اس میں متعدد فوجی و سول افسر شریک تھے۔(بنگلہ دیش میگزین، ڈھاکہ کوریئر 10 فروری 2012)

1965 اگست میں شیخ مجیب نے دھان منڈی ڈھاکہ والے اپنے گھر میں باغیانہ میٹنگ کی اور کہا کہ ضرورت پڑنے پر بھارت پاکستان کے فضائی اور بحری راستے بھی بند کر دے گا۔ ہندوستان سے مدد لے کر مشرقی پاکستان کو آزاد کروائیں گے۔(نسلوں نے سزا پائی، صفحہ 210، جنرل متین الدین)

1968 میں شیخ مجیب کو "اگرتلہ سازش" میں ماخود کیا گیا، بد قسمتی سے پاکستانی سیاستدانوں کے پریشر پر شیخ مجیب کو رہا کیا گیا۔ 22 فروری 1969 کو اچانک ایک حکومتی نوٹیفکیشن کے ذریعے اگرتلہ سازش کیس واپس لے لیا گیا۔

5 دسمبر 1969 جمعۃ المبارک کے دن ڈھاکہ میں حسین شہید سہروردی کی برسی کے موقع پر "بنگلہ بدھو شیخ مجیب الرحمن" نے مشرقی پاکستان کو "بنگلہ دیش" کا نام دیا۔ بنگلہ

دیشی حکومت نے 2020 میں اس کی یاد میں ڈاک ٹکٹ بھی جاری کی تھی۔(پاک میگزین پر تاریخِ پاکستان سوموار 13 جون 2025)

باوثوق ذرائع کے مطابق مجیب ہندوستان سے ایک خاص عرصے کے لیے ہتھیار اور اسلحہ وصول کرتے رہے جسے وہ چھپا کر رکھتے تھے۔(ڈان کراچی 12 اپریل 1971)

آل انڈیا ریڈیو کلکتہ نے "اےپار بنگلہ اُوپار بنگلہ" کے نام سے ایک پروگرام شروع کر دیا۔ جس میں آزاد بنگلہ دیش کی حمایت جاری تھی۔انٹیلی جنس ایجنسی نے رپورٹ بھی دی کہ ہندوستان سرحد پار سے عوامی لیگ کی جیت کے لیے اور اگر ضرورت پڑے تو قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں سے مسلح تصادم کے لیے بڑی مقدار میں رقوم اور اسلحہ بجھوا رہا ہے۔نہ صرف انٹیلی جنس ایجنسیوں نے بلکہ دوست ممالک کی انٹیلی جنس ایجنسیوں نے بھی ایسی اطلاعات دیں۔(پاکستان سے بنگلہ دیش، کرنل شریف الحق، صفحہ 57)

بھارتی وزیر شکلا کے مطابق مجیب الرحمن ہندوستان کی جنگ لڑ رہا ہے۔(آل انڈیا کمیٹی اجلاس، 4 اپریل 1971 دی ہندو 5 اپریل 1971، مدراس)

شیخ مجیب نے الیکشن کمپین تو چلائی پاکستان کو مضبوط کرنے کے نام پر،(ان کا آئین اسلام اور نظریہ پاکستان پر مبنی ہو گا)قرآن و سنت کے مطابق آئین سازی کرنے کے لیے اور معاشی تفاوت کو دور کر کے اپنی عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے کے نام پر اور اسی وجہ سے عوام نے ان کا ساتھ دیا مگر الیکشن جیتتے ہی انہوں نے بنگلہ دیشی عوام کو دھوکہ دیا اور چھ نکات کو الہامی سمجھ کر اس پر ڈٹ گئے اور وفاق کو ختم کرنے کے حربے شروع کر دیئے۔(پاکستان سے بنگلہ دیش، کرنل و سفیر شریف الحق، صفحہ 54)

پاکستان کے سابق سیکرٹری خارجہ سلطان ایم خان کے بقول انتخابات کے فوراً بعد ڈھاکہ میں آر سی ڈی کے ایک اجلاس کے وقت ایران اور ترکی کے وزرائے خارجہ نے حکومت کی اجازت سے مجیب الرحمن سے ملاقات کی۔ شیخ مجیب نے اس ملاقات کے دوران کہا کہ وہ پاکستان کے وزیر اعظم کے بجائے بنگلہ دیش کے بانی بننا زیادہ پسند کریں گے۔(دی مسلم،اسلام آباد 19 جولائی 1983)

عوامی لیگ کے سیکرٹری جنرل تاج الدین نے کلدیپ نئیر سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ چھ نکات تو محض آغاز تھا، ہماری حقیقی منزل کامل آزادی تھی۔(کلدیپ نئیر، صفحہ 143)

اکتوبر 1970 میں مجیب الرحمن نے خود مختاری کا جو پروگرام پیش کیا تھا اس پر عمل درآمد کا نتیجہ پاکستان کے خاتمے کے سوا کچھ نہ تھا۔ (فیلڈ مین، دی اینڈ اینڈ دا بگننگ، صفحہ 89) غیر ملکی صحافی اور تجزیہ نگار بھی اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ چھ نکات کا مطلب علیحدگی کے سوا کچھ اور نہیں۔ بھارتی اخبار زیادہ سرگرم تھے انہوں نے لکھا کہ شیخ مجیب پاکستان کو توڑ کر آزاد بنگلہ دیش قائم کرنا چاہتا ہے یعنی پاکستان کو دولخت کرنا چاہتا ہے۔ (دی السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا، 27 ستمبر 1970)

اور یہ کہ عوامی لیگ کے چھ نکات پاکستان کو ایک قسم کی کنفیڈریشن میں تبدیل کر دیں گے۔ ٹائم لندن نے اس سے پیشتر ہی لکھ چکا تھا کہ مجیب الرحمن ایک ایسا آئین تیار کرنا چاہتے ہیں جو پاکستان کو توڑ کر پانچ ریاستوں کے ایک کمزور وفاق کی شکل دے دے اور جس کے تحت صوبائی حکومتوں کو آزادی کی حد تک خود مختاری حاصل ہو گی۔ (دی بنگلہ دیش آبزور، 16 جنوری 1972)

مشہور بھارتی رسالے دی السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا کے دسمبر 1984 کے ایک شمارے میں اس سانحے (مشرقی پاکستان) کو بھارتی عسکری اور خفیہ جاسوسی کے نیٹ ورک کی تاریخ کی سب سے بڑی کامیابی قرار دیا گیا اور اس پر "رامیشور ناتھ کاؤ" کو شاندار الفاظ میں خراج

تحسین پیش کیا گیا، رامیشور ناتھ کاؤ (آر-این کاؤ) بھارتی خفیہ ایجنسی کے بانی اور اس کے پہلے سربراہ تھے۔ مضمون نگار کا دعویٰ ہے کہ 1968 میں "را" کا باقاعدہ قیام عمل میں آیا تاہم بھارتی جاسوس اس سے قبل ہی پوری طرح مشرقی پاکستان میں پھیل چکے تھے ۔صوبائی حکومت کا کوئی بھی فیصلہ ان کی نگاہوں سے اُوجھل نا تھا۔ایک بار جب شیخ مجیب اور میجر ضیاء الرحمن اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہندوستانی وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملے تو اس میٹنگ میں آر این کاؤ شامل تھا، اس ملاقات کے بعد میجر ضیا نے کاؤ کے بارے میں تبصرہ کیا کہ یہ تو مجھ سے بھی زیادہ ہمارے ملک مشرقی پاکستان کے بارے جانتا ہے۔
2 مارچ سے 26 مارچ کے دوران عوامی لیگ اور مکتی باہنی کے دہشت گرد غیر بنگالیوں کو ہلاک کرنے، لوٹ مار کرنے، آتش زنی، گھات لگا کر حملے کرنے، عصمت دری اور بے حرمتی کی وارداتوں میں ملوث رہے۔ایک اطلاع کے مطابق ان وارداتوں میں 2 مارچ سے 26 مارچ کے دوران مجموعی طور پر ایک لاکھ افراد کو ہلاک اور زخمی کیا۔ان کو جلایا گیا اور ان کی عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔(پاکستان قیادت کا بحران، فضل مقیم خان، صفحہ 24)

سابق بھارتی وزیر اعظم مرار جی ڈیسائی نے اطالوی صحافی اوریانہ فلاچی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ 50 ہزار ہندوستانی گوریلے بھی اس جنگ میں شامل تھے، ہزاروں کی تعداد میں ہندوستانی فوجی مکتی باہنی کے کارکنوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے۔ جن کو اپریل سے دسمبر 1971 تک مشرقی پاکستان میں بھیجا جاتا رہا جن میں سے پانچ ہزار اصل جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی مارے گئے تھے۔ اس کے بعد اندرا گاندھی نے پاکستان کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کر دیا اور اندرا گاندھی جنگ جیتنے میں کامیاب ہوگئی۔ (واشنگٹن پوسٹ 11 دسمبر 1971)

میجر جنرل ریٹائرز زیڈ اے خان سابق ڈی جی ایف آئی اے بنگلہ دیش نے کہا کہ ریگولر ہندوستانی فوج مکتی باہنی کے روپ میں مشرقی پاکستان میں لڑ رہی تھی۔ (نوائے وقت 16 دسمبر 2021)

عوامی لیگ کی قیادت میں مکتی باہنی بنگالیوں پر مشتمل تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہندوستانی افواج کے سپاہی اور افسر بھی بھیس بدل کر مکتی باہنیوں میں شامل تھے بلکہ بہت سے مقامات پر تو ہندوستانی فوجی افسر اور انٹیلیجنس کے عہدے دار خود مکتی باہنی کی قیادت کر رہے تھے۔ (سقوطِ ڈھاکہ کتنی حقیقت کتنا افسانہ، افراسیاب مہدی، صفحہ 56)

ایک ہندو بنگالی جے بی مسٹر نے 1949 میں مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے 35 ہزار رضاکاروں کی ایک فوج تیار کی تاکہ وہ جلاوطنی میں خود ساختہ مشرقی بنگالی حکومت کو طاقت دے سکیں۔ ان میں سے بہت سارے مشرقی پاکستان بھیجے گئے جہاں وہ مغربی پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا پھیلانے میں اہم ثابت ہوئے۔(سب ورژن اِن ایسٹ پاکستان، مسوانی اے ایم، لاہور 1978، صفحہ 19)

تاریخ کسی خود مختار ملک کے اندرونی معاملات میں کسی دوسرے ملک کی طرف سے ایسی دلیرانہ اور علی اعلان مداخلت کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔(جی ڈبلیو چوہدری، لاسٹ ڈیز آف یونائیڈ پاکستان، صفحہ 204)

سندھ۔سندھو دیش

یحییٰ خان کے بقول 1970 کی انتخابات کے موقع پر مسٹر بھٹو اور مسٹر جی ایم سید زبان کے مسئلے پر متفق تھے۔ وہ دونوں اردو کے مقابلے میں سندھی کو سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے۔

اندرا گاندھی نے بھارت میں سندھی زبان کے بارے میں منعقدہ ہونے والی سیمینار کا افتتاح کیا۔اس سیمینار میں پاکستان کے بارے میں قابلِ اعتراض مقالے پڑھے گئے۔

بنگلہ دیش میں "بھارتی ہندتوا، استعمار" کے شکار مسلمان لیڈروں نے سندھ کے معاملات میں خصوصاً اظہارِ تشویش کیااور اللہ سے دعا کی کہ وہ سندھ کے ضمن میں ہدایت ور ہنمائی عطا فرمائے۔اس مشکل مرحلے میں پاکستان کو آسانی سے پار اتار دے ورنہ خدانخواستہ سندھ میں مشرقی بنگال والے احوال پیدا ہو گئے تو پھر نہ سندھ آزاد رہ سکے گا نہ پاکستان باقی رہے گا اور نہ ہم بچیں گے۔بنگلہ دیش ایک الگ وحدت تھی اس نے اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لیا، پاکستان نے بھی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بخوبی سنبھال لیا لیکن اگر سندھ کی جدائی کا المیہ رونما ہوا تو پھر سارے بر صغیر کے مسلمانوں پر بے پناہ آفات ٹوٹ پڑیں گی۔

کرنل فاروق کہتے ہیں کہ میری طرف سے اہل پاکستان کو متنبہ کر دینا کہ آئندہ تین چار ماہ کے دوران بھارت پاکستان پر حملہ ضرور کرے گا وہ سندھ کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے، سندھ میں بھارتی کارندے اور گوریلے ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں جو جنگ کی صورت میں پاکستان کا نظام درہم برہم کرنے کی کوشش کریں گے۔نیز وہ سول انتظامیہ

کو بھی پریشان کریں گے جس طرح مشرقی پاکستان میں کیا تھا۔ میری طرف سے اہل پاکستان کو متنبہ کردیں میری اپنی انٹیلیجنس بھی ہے اور میرے روابط بھی سرکاری انٹیلیجنس سے ہیں، بھارت حملہ کیے بغیر نہیں رہے گا۔ (دیوار براہمن، صفحہ 272 ،پروفیسر محمد منور)

سندھ ٹیکس: یوسف عرفان نے بتایا کہ ایک ٹیکس سندھ کے نام سے بھی بھارت میں لاگو ہے۔ بنگلہ ٹیکس کی طرح یہ کوئی آٹھ نو سال سے نافذ ہے۔ اس ٹیکس سے سندھ پاکستان میں تخریب کاری کے اخراجات برداشت کیے جاتے ہیں نیز سندھ کے اندر اپنے ایجنٹوں کی پرورش کی جاتی ہے، سندھی میں لٹریچر تیار کروا کر بھارت سے بھیجا جاتا ہے۔ جو کچھ سندھ میں ہو رہا ہے یہی کچھ مشرقی بنگال میں تقسیمِ برصغیر کے دن سے ہو رہا تھا۔ بھارت اپنے ایجنٹ مقرر کر رہا تھا، پال رہا تھا وہ ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی تھے، خصوصاً اساتذہ میں ان کی کھیپ زیادہ تھی۔ (دیوارِ براہمن، صفحہ 278 پروفیسر محمد منور)

"جی ایم سید" اپنی کتاب "زنجیروں میں جکڑی قوم، میں بھارت کیوں چپ ہے؟ کہ عنوان سے لکھتے ہیں کہ سندھ کے قوم پرستوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سندھ کی آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستان ہے۔ آزادی کبھی تحفے میں نہیں ملتی، بنگالیوں

نے سستی کاہلی کے ذریعے بنگلہ دیش کو آزاد نہیں کروایا، ایک کروڑ بنگالی ملک چھوڑ کر در بدر ہوئے تھے، ہزار ہا تکلیفیں برداشت کی تھیں، دو لاکھ بنگالی عورتوں کی عصمت دری ہوئی تھی اور 30 لاکھ بنگالی مارے گئے تھے۔ لیکن سلام ہے بھارتی حکومت پر جس نے جنگِ آزادی میں کود کر بنگالیوں کو پاکستانی درندوں سے نجات دلائی کہ اگر ہم غور کریں گے تو معلوم ہو گا کہ بھارت کی سرکار نے بھی بنگالیوں کی مدد اس وقت تک نہیں کی جب تک بنگالی خود مقابلے پر نہیں آئے۔ سندھی قائدین جیل جاتے رہے لیکن وزیر اعظم اندرا گاندھی کو ذرا بھی خیال نہ آیا لیکن ہم سندھی بے یار و مددگار ہیں۔ ہمارے جرات مند "ہیمو کالانی" سندھ قوم پرستوں کے ہیرو اس کے رشتہ دار ہندوستان میں ہجرت کر گئے ہیں۔ بھارت کی حکومت جمہوریت، قوم پرستی، سیکولرازم اور سوشلزم کی حمایت میں سر گرم عمل نظر آتی ہے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ یہ سب دنیا کو دکھانے کے لیے ہے۔ بھارتی حکومت مصر کے صدر انور سادات کو دلاسہ دے کر عربوں کو یہودیوں کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے آواز اٹھا سکتی ہے، رہوڈیشیا میں کالے اور گوروں کے درمیان جھگڑے میں ٹانگ اڑا سکتی ہے لیکن وہ سندھو دیش کو مہاجر پنجابی سامراجیوں سے نجات لانے میں متذبذب ہے۔ ہم آریہ ورت کے سندھو ماتھری کی تہذیب کو بچانے کے لیے

جدوجہد کررہے ہیں۔ ہندو ہمارے پرانے ساتھی ہیں۔ ہماری گزشتہ مشترکہ تاریخ ہے اگرانہوں نے ہم پر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کی، اقوام متحدہ اور دنیا کے ملکوں میں سندھیوں پر ہونے والے ظلم کی داستانیں پہنچائیں تو ہم سمجھیں گے وہ ہماری پشت پر ہیں۔ مغربی بنگالیوں نے بھی بھارتی حکومت کو مشرقی بنگالیوں کی مدد کرنے کے لیے مجبور کیا تھا ممکن ہے کہ اگر ہمت کی جائے تو کچھ ہو لیکن ہمیں بھارتی حکومت سے زیادہ امید نہیں ہے۔ بھارتی سرکار کی پالیسی سوداگرانہ ہے۔

آزادی کے بعد کیا ہوگا؟ سندھو دیش کے قیام کے بعد ملک کی تمام پیداوار اور ٹیکس جو آج کل مرکزی حکومت کے ماتحت ہیں۔ سندھیوں اور پنجابیوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیے جا رہے ہیں وہ سب سندھیوں کی ترقی اور سندھ کو ترقی یافتہ ملک بنانے پر خرچ کیے جائیں گے۔ سندھیوں میں مکمل اتحاد قائم رکھا جائے گا، زرعی اراضی پر فقط سندھیوں کا قبضہ قانونی تسلیم کیا جائے گا اور باہر سے آنے والوں کو ملنے والی زمین ضبط کرلی جائے گی۔ سندھ کے تمام کاروبار غاصبوں سے چھین کر سندھیوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ بینکوں ،کارخانوں، دکانوں پر فقط سندھیوں کی ملکیت کو تسلیم کیا جائے گا۔ کارخانوں میں غیر سندھی ملازموں اور مزدوروں کی بجائے فقط سندھی مزدور رکھے جائیں گے۔ سندھ کی

آزادی کے بعد ملک کی قومی اور سرکاری زبان صرف سندھی ہو گی کسی بھی شخص کو جسے سندھی زبان سے واقفیت نہیں ہو گی شہری حقوق نہیں دیئے جائیں گے، انہیں ووٹ کا حق حاصل نہیں ہو گا وہ کسی محکمہ ادارے یا سرکاری شعبے میں ملازمت نہیں کر سکیں گے۔ اگر کسی نے زبان کے متعلق آزاد سندھ حکومت کے موقف سے اختلاف کیا تو اسے بنگلہ دیش کی طرح ملک سے باہر نکال دیا جائے گا۔ سندھی ثقافت کو ترقی دی جائے گی اور پان کھانے پر بندش عائد ہو گی۔ سندھ کے باہر سے لوگ جن کے قبضے میں کاروبار، زمینیں، دکانیں اور کارخانے ہیں انہیں سندھیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ہندوستان سے آنے والے سندھی ہندوؤں کو بھی حصہ دیا جائے گا جن مہاجروں نے سندھ کی آزادی میں حصہ لیا ہو گا ان کی ملکیت کے حق کو تقسیم کیا جائے گا۔ سندھ کی آزادی کے بعد تین مہینے میں سندھی زبان کے امتحان بھی لیا جائے گا اور فیل شدہ افراد سے ان کی ملازمتیں چھین لی جائیں گی۔ راجہ داہر کا مجسمہ کراچی کے قریب زیر تعمیر بندرگاہ پر نصب کیا جائے گا اور اس بندرگاہ کا نام "راجہ داہر بندرگاہ" ہو گا۔ بھارت، افغانستان، روس، بنگلہ دیش اور ایران سے ثقافتی تعلقات رکھے جائیں گے۔ آزاد سندھ حکومت کی پالیسی لادینیت، سوشلزم، جمہوریت اور قوم پرستی پر مبنی ہو گی۔ سندھو دیش آزادی کے بعد بنگلہ دیش، پختونستان،

بلوچستان، بھارت، پنجاب، ایران اور عرب ممالک کے درمیان کامل ویلتھ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

سرحد۔ آزاد پختونستان

گاندھی نے 18 جون 1947 کے اپنے مذہبی خطاب میں پختون عوام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ ان کے ساتھ غفار خان کے مشن کی کامیابی کے لیے دعا کریں، جو ایک آزاد فرنٹیئر ریاست کے لیے کوشش کر رہے ہیں، جس کا نام "پختونستان" ہو گا۔ (ابو الکلام آزاد، آزادئ ہند، صفحہ 309)

غفار خان نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا! اب جب کہ کانگریس نے ہمیں اپنانے سے انکار کر دیا ہے تو ہم ہندوستان اور پاکستان میں کسی کو منتخب کرنے پر ریفرینڈم کیوں کروائیں؟ غفار خان کے اس گلے کے جواب میں گاندھی نے کہا! مجھے یقین ہے اگر صوبہ سرحد کے ساتھ پاکستان میں اچھا سلوک نہ کیا گیا اور "خدائی خدمت گاروں" کو دبایا گیا تو میں بھارت کو یہ مشورہ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا کہ وہ "خدائی خدمت گاروں" سے ناروا سلوک کو دفاعی اعتبار سے پاکستان پر حملے کے لیے

کافی سمجھیں۔ گاندھی نے بعد میں یہ بات میرے بیٹے کو بتائی جب غنی خان (عبدالغفار خان کے بیٹے اور ولی خان کے بھائی) نے ان سے پوچھا، باپو آپ ایسا کیوں کریں گے کیونکہ آپ تو عدم تشدد کے حامی ہیں تو گاندھی نے غنی خان کو بتایا کہ آپ میرے عدم تشدد کے بارے میں فکر نہ کریں کیونکہ عدم تشدد کا حامی میں ہوں نہ کہ ہندوستان کی حکومت ۔(ٹنڈولکر کی انگریزی کتاب، عبدالغفار خان، صفحہ 425)

جواہر لال نہرو نے ہریدوار میں پشتو بولنے والے ہندو اور سکھ شرنارتھیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے "خدائی خدمت کاروں یا سرخ پوش تحریک" کی قرارداد برائے پختونستان کی زوردار حمایت کی۔ (پاکستان ٹائمز 21 جون 1947 فیض احمد فیض)

21 جون 1947 کو بنوں کے مقام پر خدائی خدمت گاروں نے پھر ایک اجلاس کیا جس میں اعلان کیا کہ تمام پختونوں کی ایک ریاست قائم کی جائے گی جس کا نام "پختونستان" ہوگا۔ اجلاس نے پختونوں سے اپیل کی کہ اس مقصد کے لیے متحد ہو جائیں اور کسی غیر پختون کی بالادستی قبول نہ کریں۔

غفار خان کا مطالبہ یہ تھا کہ ایک آزاد اور خود مختار پختون ریاست قائم کی جائے جس میں تمام پختون شامل ہوں۔ (مہاتما گاندھی "دی لاسٹ فیز" پیارے لال)

ڈاکٹر خان نے واضح کیا کہ صوبہ سرحد کبھی بھی پاکستان میں شامل نہیں ہوگا تو ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ آپ ہندوستان میں شامل ہو سکتے ہیں اور اس امر کا خیال نہ کریں کہ صوبہ سرحد اور ہندوستان کے درمیان پاکستان کا ایک صوبہ پنجاب حائل ہوگا کیونکہ ایسی صورتحال مشرقی اور مغربی پاکستان میں موجود ہے۔(پاکستان کے خلاف سازش، صفحہ 33، ضیا شاہد)

خان عبدالغفار خان نے 15 اگست کو جو بھارت کا یوم آزادی بھی ہے کو "یوم پختونستان" قرار دیا تھا۔خان عبدالغفار خان نے کہا کہ صوبہ سرحد میں پٹھانوں کی مرضی کے خلاف ان پر پاکستان مسلط کیا گیا ہے لیکن جب تک صوبہ سرحد میں خدائی خدمت گار موجود ہیں ،وہ انگریزوں کی سکیموں کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔(پاکستان کے خلاف سازش، ضیا شاہد، صفحہ 37- پاکستان ٹائمز لاہور 21 تا 25 جون 1947)

قائدا عظم نے صوبہ سرحد کے کانگریس کے لیڈروں کی طرف سے پیش کردہ مطالبے یعنی پٹھانستان کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ آپ پہلے مسلمان ہیں پھر پٹھان یا کچھ اور۔اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو بہت بڑی تباہی ہوگی۔انہوں نے کہا خان برادران یا کسی دوسرے شخص نے اس سے پہلے آزاد پٹھانستان کا شرانگیز مطالبہ کبھی

نہیں کیا۔ حال ہی میں جو سٹنٹ کھڑا کیا گیا ہے ان کا مقصد پٹھانوں کو گمراہ کرنا ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ پٹھانستان جمہوریت مساوات اور اسلامی نظریات پر بنایا جائے گا حالانکہ یہ مطالبہ کرنے والے کل تک کانگریس کی زیرِ نگرانی ہندوستان بھر کے لیے مضبوط فیڈرل حکومت کے علمبردار تھے۔ قائدِاعظم نے خان برادران کے اس پروپیگنڈے کی پرزور تردید کی کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی اسلامی شریعت اور قرآنی اصولوں کو نظرانداز کر دے گی۔ انہوں نے کہا کہ صدیوں سے ہم مسلمان قرآن پر عمل کرتے ہیں اور خان برادران کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلام اور قرآن کے علمبردار ہیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ وہ کانگریس میں ہندوؤں کے ساتھ کس طرح شامل ہوئے تھے اور ہندوؤں کی وحشیانہ اکثریت کے کیوں کر حامی تھے۔ ریفرنڈم کے نتائج دراصل نہرو، ڈاکٹر خان اور غفار خان پر صوبہ سرحد کے پٹھانوں کے عدم اعتماد کا ثبوت ہے۔ (روزنامہ "خیبر" پشاور، 4 جولائی، -روزنامہ "پیسہ" لاہور، 10 جولائی 1947)

را کے سابق سربراہ "آر کے یادو" نے اپنی کتاب "مشن را" میں انکشافات کیے ہیں۔ بھارتی حکومت کی تخریب کاریوں کے بارے میں جیسے لکھتے ہیں کہ "ولی خان (عبدالغفار خان کے بیٹے) اندرا گاندھی سے سیاسی، اخلاقی اور دیگر اقسام کی مدد چاہتے تھے۔ آر این کاؤ

نے اپنے نائب شنکرہ نائر کو بھارتی نمائندے کے طور پر مذاکرات کے لیے بھیجا چونکہ پاکستانی سفارت خانہ ولی خان کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔اس لیے یہ ملاقات سویڈن منتقل کی گئی جہاں نائر، انڈین مشن کا ایک شخص اور "را" اہلکار آئی ایس حسین والیا وغیرہ ولی خان سے ملے اس کے نتیجے میں بھارتی حکومت کی جانب سے 1977 میں اندرا گاندھی کے انتخابات ہارنے تک ولی خان کو ہر قسم کی مدد فراہم کی۔اس سے ملتا جلتا انکشاف خود را کے سربرارا میشور ناتھ کاؤ نے اپنی کتاب میں کیا تھا۔

بلوچستان۔ گریٹر بلوچستان

را کے سابق سربراہ "بی رامن نے "اپنی کتاب "را-ریسرچ اینڈ اینالسز ونگ" میں بلوچستان کو تقسیمِ ہند کا نامکمل ایجنڈا قرار دیا ہے اور بلوچستان میں برپا دہشت گردی کو تحریک آزادی سے تعبیر کیا ہے۔آزادی کی جنگ کے دوران بھارت کو دنیا کی توجہ بلوچستان کے قوم پرستوں کے قتلِ عام کی طرف دلانے میں ہچکچاہٹ نہیں کرنی چاہیے جو کہ پاکستانی فوج کے ہاتھوں ہوا تا کہ بلوچ خود کو بنگلہ دیش کی آزادی کی جدوجہد سے متاثر محسوس کریں اور صرف اپنے درمیان ہی نہیں بلکہ سندھی قوم پرستوں، گلگت بلتستان کے

شیعہ اور پاکستان کے زیرِ قبضہ کشمیر کے عوام کے ساتھ اتحاد پیدا کریں۔ان کے اتحاد میں ان کی طاقت ہو گی،اختلاف مہلک ہو گا۔(ڈیلی ٹائمز 30 دسمبر 2005)

Mission Raw by Yatish Yadav اس کتاب میں RAW کے خفیہ آپریشنز کا احاطہ کیا گیا ہے۔جس میں 1971 کے بعد بلوچستان اور پاکستان کے دیگر حصوں میں ایجنسی کی سرگرمیوں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

را کے سابق اہلکار "K Sankaran Nair" اپنی کتاب " Inside IB and RAW The Rolling Stone The Gatherd Moss" میں لکھتے ہیں کہ RAW نے بلوچستان میں علیحدگی پسند عناصر کو مدد فراہم کی۔

"را" کے سنیئر اہلکار بی رامن بھی اپنی تحریروں میں تسلیم کرتے میں کہ 1970 کی دہائی میں بلوچ علیحدگی پسندوں کو بھارت نے مدد کی۔

پروفیسر Garry Boss کے مطابق جون 1971 میں بھارتی وزیر خارجہ سورن سنگھ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ "مغربی پاکستان کو توڑنے کے لیے بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے(اب خیبر پختونخواہ)میں بغاوت کو ہوادی جائے۔(The Blood

Telegram ,Nixin Kissinger, and Forgotten Genocide)

31 جنوری 1973 کولاہور میں اندرون موچی گیٹ میں ہونے والے جلسے میں نواب اکبر بگٹی نے کہاکہ عطاءاللہ مینگل نے اور خان عبدالغفار خان کے صاحبزادے خان عبدالولی خان نے انہیں ایک منصوبے کی خبر دی کہ بلوچستان کوایک یادو بڑی قوتوں کی زیر نگرانی دیا جاسکتا ہے۔ بگٹی نے یہ دعویٰ بھی کیاکہ گریٹر بلوچستان پلان کی مدد کرنے والے غیر ملکی اداروں کے ہیڈ کوارٹر بغداد میں کام کر رہے ہیں۔

بھٹو نے بھی دعویٰ کیا تھا کہ اسلام آباد میں موجود عراقی سفارت خانے سے ایسی دستاویزات ملی ہیں جو اکبر بگٹی کے دعوے کی تصدیق کرتی ہیں۔(پاکستانی جماعتیں اور غیر ملکی فنڈ نگ، صفحہ 63،ذبیح اللہ صدیق بنگش)

الذوالفقار

دہشت گرد تنظیم الذوالفقار اوراس کے ماسٹر مائنڈز تھے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے بیٹے(سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے بھائی، صدر آصف علی زرداری کے

سالے، سینئر وزیر نصرت بھٹو کے بیٹے، خاتونِ اول آصفہ بھٹو اور وزیر خارجہ بلاول بھٹو کے ماموں) مرتضیٰ اور شاہنواز۔ الذوالفقار کافی پُراسرار تنظیم تھی، جس پر ہمیشہ راز کے پردے پڑے رہے لیکن پھر مرتضیٰ بھٹو کے قریبی دوست راجا محمد انور نے 1996 میں ایک کتاب لکھی The Terrorist Prince جس میں مرتضی اور اس کی دہشت گرد تنظیم کے کچھ رازوں سے پردہ اٹھادیا۔ الذوالفقار کا عمومی تعارف ایک ایسی تنظیم کے طور پر کروایا جاتا ہے جس نے مبینہ طور پر لیبیاء، افغانستان، ایران، شام، بھارت ، سوویت یونین اور یاسر عرفات سے ملنے والی امداد کے بَل پر پاکستان میں دہشت کا راج قائم کیا تھا۔

20 ستمبر 1996 کو جب مرتضی بھٹو اپنے ہی گھر کے باہر اپنی ہی بہن کی پولیس کے ہاتھوں مارے گئے تو لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا۔ یقیناً مرتضیٰ کا انجام بہت ڈرامائی تھا مگر کیا اپ جانتے ہیں کہ صرف انجام نہیں ان کی پوری زندگی ہی۔

پسِ منظر

1979 میں چلتے ہیں۔ پاکستان کے سیاسی حالات اچھے نہیں۔ ضیا کے مارشل لا کا دوسرا سال ہے۔ بھٹو قید خانے میں موت کا انتظار کر رہے ہیں مگر پورے ریجن میں بھی طاقت کے ایوانوں میں زلزلے آ رہے ہیں۔ روس افغانستان میں داخل ہو چکا ہے۔ خمینی ایران میں انقلاب کے جھنڈے گاڑ چکا ہے، ایسا انقلاب، جس سے پاکستانی اسٹیبلشمنٹ بھی پریشان ہے۔ مشرقی سرحد کے بعد اب ملک کی مغربی سرحد بھی غیر محفوظ نظر آ رہی ہے۔ جہاں بے نظیر اور نصرت بھٹو سیاسی محاذ پر لڑ رہی تھیں وہیں مرتضیٰ اور شاہنواز نے دوسرا راستہ چننے کا فیصلہ کیا۔ وہ راستہ بیلٹ کا نہیں بلٹ کا راستہ تھا۔ اسی خواہش کے زیرِ اثر گوریلا طرز کی "الذوالفقار" کی بنیاد رکھی گئی۔ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ مرتضیٰ بھٹو کو الذوالفقار بنانے پر اکسانے والی خود بے نظیر ہی تھیں۔ اس خیال کی بنیاد لاڑکانہ میں بھٹو خاندان کی رہائش گاہ الذوالفقار سے برآمد کیے جانے والے خطوط بیان کیے جاتے ہیں جو بے نظیر نے اپنے بھائیوں کو لکھے تھے۔

پہلی مدد

اپریل 1978 میں مرتضیٰ نے بیروت میں یاسر عرفات سے ملاقات کی اور اُن سے مدد مانگی۔ جی ہاں ! عسکری مدد ! انھیں لیبیا کے صدر معمر قذافی اور شام کے حافظ الاسد سے مالی مدد مل چکی تھی۔ تب مرتضیٰ کی عمر 24 سال بھی نہیں تھی لیکن یاسر عرفات نے انھیں پھر بھی اسلحہ دے دیا، شاید یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ لڑکا اتنا اسلحہ لے کر آخر کہاں جائے گا؟ اسے پاکستان کیسے پہنچائے گا؟ اور پہنچا بھی دے تو یہ اسلحہ چلائے گا کون؟

بہر حال، اس مدد نے مرتضیٰ کو بڑا حوصلہ دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتے، اپریل 1979 میں وہ ہو گیا جس کی کسی کو توقع نہیں تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دے دی گئی۔ ملک میں بہت بڑے پیمانے پر ردِ عمل کا خدشہ تھا، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ لاوا شاید اندر ہی اندر پک رہا تھا، کم از کم بھٹو خاندان میں تو ایسا ہی تھا۔

مرتضیٰ باپ کی پھانسی کے ایک مہینے بعد کابل پہنچے جہاں وہ اپنے گھر میں فرش پر سوتے تھے، کیونکہ انھوں نے عہد کر رکھا تھا جب تک باپ کا بدلہ نہیں لوں گا تب تک بستر پر نہیں سوؤں گا۔ یتیم، جلاوطن، اکیلا، بدلے کی آگ میں جلتا اور پریشان حال مرتضیٰ !

پیپلز لبریشن آرمی

مرتضیٰ نے افغان حکام سے رابطہ کیا اور انھیں بتایا کہ میرے پاس بہت سا اسلحہ ہے جو بیروت، لبنان میں رکھا ہوا ہے، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے، بس یہ اسلحہ یہاں لانا ہے۔ افغانستان اور پاکستان کے تعلقات تب بھی ایسے ہی تھے، جیسے آج ہیں یعنی بہت ہی خراب۔ اس لیے افغانوں نے فوراً ہاں بھی کر دی۔

مرتضیٰ کو کابل میں ٹھکانہ مل گیا اور پھر شہر میں وہ ایک نام سے مشہور ہو گئے، نام تھا: خواجہ سگ پرست۔ وہ کیوں؟

واقعہ یہ تھا کہ ایک بار مرتضیٰ کا کتا ''وولف'' گم ہو گیا۔ تلاش کے لیے افغان انٹیلی جینس کی وہ دوڑیں لگوائی گئیں کہ وہ تنگ آ گئے اور پھر انھوں نے ہی مرتضیٰ کو یہ نیا نام دیا: خواجہ سگ پرست یعنی ڈوگ لور۔ بہر حال، زیادہ دن نہیں گزرے، شام سے وہ جہاز بھی پہنچ گیا، جس کا انھیں بڑا انتظار تھا۔

جہاز کے کارگو میں سینکڑوں کلاشنکوفیں تھیں، ہینڈ گرنیڈ، مشین گنز، پسٹلز اور اینٹی ٹینک آر پی جیز بھی بلکہ کچھ سرفیس ٹو ایئر سیم 7 میزائل بھی تھے۔ اسلحہ تو آ گیا، اب اسے

استعمال کرنے والے لوگ کہاں سے آئیں؟اس کے لیے مرتضیٰ بھٹو نے سب سے پہلے رابطہ کیا میجر جنرل امتیاز علی سے۔ وہ بھٹو کے سابق ملٹری سیکریٹری تھے، جو مرتضیٰ کے بلانے پر آنے والے پہلے آدمی بنے۔

جون 1979 میں امتیاز علی دبئی سے کابل پہنچے۔ وہ فوج میں کمانڈو رہ چکے تھے، اس لیے فوراً سمجھ گئے کہ مرتضیٰ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے سمجھایا کہ فوج سے ڈائریکٹ ٹکر نہ لی جائے، طاقت سے فوج کو جھکانے کا خیال بے وقوفانہ ہے لیکن مرتضیٰ کا فلسفہ ایک ہی تھا: جو بندوق نہ اٹھائے، اسے اسی بندوق سے مار دینا چاہیے۔ اس لیے سن کر بھی ان سُنی کر دی، اور جنرل امتیاز واپس دبئی چلے گئے۔ راجہ انور کے بقول مرتضیٰ بھٹو کا انقلاب کے متعلق نظریہ کچھ یوں تھا کہ اگر پاکستان میں تیس چالیس سیاست دانوں اور جرنیلوں کے سر قلم کر دیئے جائیں تو آئندہ مارشل لاء لگے گا اور نہ ہی کوئی مارشل لاء کا ساتھ دینے والا ہو گا۔

زیادہ دن نہیں گزرے، مرتضیٰ کے دو قریبی ساتھی کابل پہنچ گئے، سہیل سیٹھی اور پرویز شنواری۔ انھیں پہلا مشن دیا گیا کہ یہ اسلحہ پاکستان پہنچانا ہے۔ سرحد تو پار کر لی، لیکن

پشاور لاتے ہوئے اسلحہ پکڑا گیا۔ یوں مرتضیٰ کا پہلا آپریشن بُری طرح ناکام ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب الذوالفقار کا نام ابھی نہیں رکھا گیا تھا، تب وہ اسے پیپلز لبریشن آرمی کہتے تھے۔ ایک ایسی آرمی جس میں ایک سپاہی بھی نہیں تھا۔

آرمی چیف مل گیا!

یہ نومبر 1980 تھا۔ کراچی یونیورسٹی میں پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے ایک جیالے نے جمعیت کے کارکن کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ پولیس اس کی تلاش میں تھی، اس لیے وہ بھاگا اور افغانستان پہنچ گیا۔ (مرتضیٰ بھٹو کی دمشق میں رہائش کے دوران کابل میں واقع الذوالفقار کے ہیڈ کوارٹر کو چلانے کی ذمہ داری ٹیپو کے ہی سر تھی، یہی نہیں بلکہ افغان خفیہ ایجنسی "خاد" کے سربراہ نجیب اللہ نے انہیں زیرو میٹر گاڑی اور فرنشڈ اپارٹمنٹ بھی تحفتاً دیا تھا۔ وہ نجیب اللہ کے خاص دوست مانے جاتے تھے تاہم اپنے غصیلے مزاج کی وجہ سے جلد ہی وہ افغان حکومت کے دل سے اتر گئے۔ وہ ایک بے خوف، مکار اور جانا مانا قاتل تھا، ایسا جو کچھ بھی کرنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ دوسرے الفاظ میں کہیں تو چلتا پھرتا بم)۔

کابل میں اُس کا انتظار کوئی اور نہیں، اُسی جیسا مرتضیٰ کر رہا تھا۔ ویسے ہی بچکانہ ایڈونچرازم اور جذباتیت کا شکار مرتضیٰ۔

اِس لڑکے کا نام تھا: سلام اللہ ٹیپو۔ وہ بنا پیپلز لبریشن آرمی کا پہلا آرمی چیف!

کہتے ہیں نا، خوب بنے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ تو ان دونوں دیوانوں نے اگلے دو مہینے بیٹھ کر ایک پلان بنایا۔ منصوبہ تھا پی آئی اے کا کوئی جہاز ہائی جیک کرنے کا۔ اس پلان پر عمل کرنے کے لیے ٹیپو جنوری 1981 میں دوبارہ پاکستان آ گیا۔ اُس نے افغان بارڈر پار کیا اور پھر اُسی شہر پہنچ گیا، جہاں سے وہ جان بچا کر بھاگا تھا، یعنی کراچی۔

ٹیپو نے مرتضیٰ سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا بلکہ اس مشن کی فنڈنگ کے لیے کراچی میں دو ڈکیتیاں کیں۔ پھر ریکروٹمنٹ کی، اور دو بندوں کو ساتھ لیا۔ پہلا تھا کراچی یونیورسٹی کا ہی ناصر جمال۔ ناصر پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی کا صدر بنا تھا اور اگلے ہی دن 26 فروری کو جامعہ میں پی ایس ایف اور جمعیت کا clash ہو گیا۔ فائرنگ ہوئی اور جمعیت کا ایک اور کارکن مارا گیا۔ ٹوٹل چھ لوگوں پر مقدمہ درج ہوا، جن میں ناصر کا نام بھی تھا۔ اب وہ بھاگنے کے چکر میں تھا، جب اس کی ملاقات ٹیپو سے ہو گئی۔ اس نے پہلی ہی ملاقات

میں ناصر کو ہائی جیکنگ پر قائل کر لیا۔ یا یوں کہہ لیں کہ ناصر کے پاس پاکستان سے باہر بھاگنے کا دوسرا کوئی راستہ تھا ہی نہیں۔ پھر تیسرا بندہ بھی ساتھ لیا، جس کا نام تھا ارشد علی۔ اس کی کہانی سب سے نرالی ہے، اس میں خود سے فیصلہ لینے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ اسی لیے ٹیپو نے اسے پھنسا لیا بلکہ اسے تو بتایا ہی نہیں گیا تھا کہ اصل پلان جہاز اغوا کرنے کا ہے۔ وہ تو اپنے دوستوں کو الوداع کہنے ایئرپورٹ آیا تھا، اس حال میں کہ وہ دفتر جانے کے لیے تیار تھا اور لنچ باکس بھی اُس کے پاس ہی تھا۔ 80 کی دہائی کے آغاز میں یکدم پاکستان میں بنک ڈکیتیوں کی وارداتوں میں اضافہ دیکھنے کو ملا تھا۔ مؤرخین ان واقعات کو بھی دراصل الذوالفقار کے لیے فنڈز حاصل کرنے کا ایک طریقہ بتاتے ہیں۔ اس حوالے سے ان گرفتار ملزمان کا حوالہ دیا جاتا ہے جنہوں نے پولیس کی حراست میں مبینہ طور پر الذوالفقار کارکن ہونے کا اعتراف کیا تھا۔

ہائی جیکنگ

یہ تھا دو مارچ 1981 کا دن۔ کراچی سے پشاور جانے والی پرواز پی کے 326 تیار کھڑی تھی۔ ایئرپورٹ پر بیگیج ایکس رے یونٹ کام نہیں کر رہا اس لیے یہ تینوں ہائی جیکرز اسلحے

سمیت باآسانی جہاز تک پہنچ گئے۔ جہاز میں کل ڈیڑھ سو مسافر تھے، جن میں سو جی آنکھوں والے میجر طارق رحیم بھی شامل تھے۔ اپنے والد کی اچانک موت کی خبر سننے کے بعد وہ تہران سے روانہ ہوئے اور اب کراچی سے پشاور جا رہے تھے۔ وہ تہران میں پاکستانی سفارت خانے کے ملازم تھے لیکن انھیں اندازہ نہیں تھا کہ اس جہاز میں بیٹھنے کے بعد وہ کبھی دوبارہ پاک سرزمین پر قدم نہیں رکھ سکیں گے، بلکہ اُن کا قاتل بھی بوئنگ 720 طیارہ فضا میں بلند ہوا تو ٹیپو نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب میرا نام عالمگیر ہے، ناصر کا نام سراج اور ارشد کا خالد۔

جہاز اپنی منزل پشاور کی طرف رخ کر چکا تھا، وقت گزرتا جا رہا تھا لیکن ٹیپو کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ جہاز میں کچھ کمانڈوز موجود ہیں اگر ہائی جیکنگ کا اعلان کیا تو اسے دبوچ لیا جائے گا۔ وہ اسی کیفیت میں بیٹھا رہا، یہاں تک کہ جہاز میانوالی کی فضاؤں تک پہنچ گیا۔

اب وقت نہیں تھا۔ ٹیپو نے اشارہ کیا، تینوں ہائی جیکرز نے اپنی پوزیشنز لیں اور پھر کاک پٹ میں گھس گئے۔ جہاز کو اغوا کے بعد شام کے دارالحکومت دمشق یا لیبیا کے

capital طرابلس لے جانے کا پلان تھا،اس لیے پائلٹ سے کہا گیا کہ جہاز کو دمشق لے چلو۔ جواب ملا کہ اتنا فیول ہی نہیں ہے۔ جس پر ٹیپو نے کہا کہ تو طرابلس لے چلو۔ یعنی اسے بنیادی جغرافیے کا پتہ ہی نہیں تھا، پائلٹ نے بتایا وہ تو دمشق سے بھی دُور ہے۔ تو جہاز میں موجود فیول کے لحاظ سے قریبی ترین غیر ملکی مقام ایک ہی تھا: کابل!

یعنی جہاز کی منزل وہی بن گئی، جو نہیں ہونی چاہیے تھے کیونکہ مرتضیٰ نے جہاز کو کابل لانے سے سختی سے منع کیا تھا۔ بہرحال، ٹیپو نے کنڑول ٹاور کو بتایا کہ

میرا تعلق پاکستان پیپلز پارٹی کے مسلح ونگ پیپلز لبریشن آرمی سے ہے، ہمارا مقصد ہے بھٹو کے خون کا بدلہ لینا اور پاکستان میں جمہوریت کو بحال کرنا، ہم تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کروانا چاہتے ہیں۔ اس کا فوراً ڈاکٹر صلاح الدین سے رابطہ کروایا جائے۔

اب یہ ڈاکٹر صلاح الدین کون تھا؟ یہ مرتضیٰ بھٹو کا کوڈ نیم تھا۔ اُس زمانے میں افغان خفیہ ایجنسی ''خاد'' کے سربراہ تھے نجیب اللہ۔ انھوں نے مرتضیٰ کو فون کیا۔ جہاز کے کابل پہنچنے کا سن کر مرتضیٰ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ اپنے افغان کنکشنز کو ایکسپوز نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن ایسا ہو چکا تھا۔

رات 10 بجے نجیب اللہ اور مرتضیٰ بھٹو ہائی جیکرز سے ملنے ایئر پورٹ پہنچے۔ ٹیپو کو جہاز سے اترنے اور دُم کے نیچے پہنچنے کا کہا گیا۔ وہاں مرتضیٰ بڑی گرم جوشی سے ملا، ٹیپو کا ماتھا چوما اور پھر پوچھا جہاز شام یا لیبیا کیوں نہیں لے گئے؟ جواب ملا اتنا فیول ہی نہیں تھا۔ بہر حال، پھر تمام مسافروں کے پیپرز اور ٹریول ڈاکیومنٹس چیک کیے گئے۔ پتہ چلا پانچ امریکن بھی جہاز میں سوار ہیں اور ایک پاکستانی ملٹری افسر بھی، جی ہاں! میجر طارق رحیم! (بقول اختر بیگ کے اس موقع پر مرتضیٰ بھٹو نے ایک کلاشنکوف ٹیپو کو دی اس سے پہلے تینوں کے پاس صرف پسٹل ہی تھے)

میجر طارق رحیم کا نام سامنے آتے ہی مرتضیٰ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے کہا لگتا ہے ہم نے کوئی بڑی مچھلی پکڑ لی ہے۔ کیونکہ مرتضیٰ سمجھا کہ طارق رحیم، ضیاء الحق کے قریبی ساتھی جنرل رحیم کے بیٹے ہیں۔ یہ مرتضیٰ کی غلط فہمی تھی۔ حکم ملا کہ طارق رحیم کو باقی مسافروں سے الگ کر دو۔

طارق رحیم کون تھے؟

اگر یہ طارق رحیم جنرل رحیم کے بیٹے نہیں تھے تو یہ کون تھے؟ یہ تھے بھٹو کے ADC یعنی ملٹری سیکریٹری طارق رحیم۔

سن 1974 میں ذوالفقار علی بھٹو قبائلی علاقوں کے دورے پر گئے۔ طارق رحیم بھی ساتھ تھے، ایک جگہ ہیلی کاپٹر سے اترتے ہی دھماکا ہو گیا۔ طارق رحیم نے چھلانگ لگائی اور بھٹو کو دھماکے کی زد سے آنے سے بچالیا۔ اس واقعے میں ایک سینیٹر کی جان گئی اور طارق رحیم خود بھی زخمی ہوئے۔ اس بہادری پر انھیں بھٹو نے بہت شاباش دی۔

لیکن کون جانتا تھا کہ ایک دن آئے گا اپنی جان پر کھیل جانے والا یہ فوجی بھٹو کے بیٹے کے حکم پر مار دیا جائے گا؟ جی ہاں! ہائی جیکنگ کے اگلے ہی دن سلام اللہ ٹیپو نے مرتضیٰ کی اجازت سے طارق رحیم کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ پھر جہاز کا دروازہ کھولا اور ان کی لاش باہر پھینک دی گئی/ مرتضیٰ نے 17 مارچ 1981 کو بی بی سی کو انٹرویو میں کہا:

شہید بھٹو کے اے ڈی سی طارق رحیم نے مارشل لا کے نفاذ میں اہم کردار ادا کیا تھا، وہ ہماری ہٹ لسٹ پر تھا۔ مرتضیٰ بھٹو اور ان کے ساتھی سلام اللہ ٹیپو کسی ایسی مہم جوئی پر مبنی کارروائی کی تلاش میں تھے جس کے ذریعے وہ دنیا کی خفیہ ایجنسیوں کی توجہ اپنی جانب

مبزول کرا سکیں۔ کسی ایک بھی پاکستان دشمن ایجنسی کے ان کی جانب متوجہ ہونے کی صورت میں الذ و لفقار کے مقاصد کو پورا کرنا آسان ہو سکتا تھا۔ راجہ انور کی رائے میں اس منصوبے کا مقصد سوویت یونین کی خفیہ ایجنسی "کے جی بی" کو متاثر کرنا تھا۔ تاہم یہ حقیقت بھی جھٹلائی نہیں جاسکتی ہے کہ مرتضیٰ بھٹو "کے جی بی" کو پہلے ہی متاثر کر چکے تھے وگرنہ ان کے لیے کابل ائیرپورٹ پر طیارے کو لینڈ کروانا اور اغواء کے منصوبے پر کامیابی سے عمل درآمد ممکن نہ ہوتا۔ سوویت یونین نے الذوالفقار کو اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے براہ راست استعمال میں لانے کی بجائے کابل میں کٹھ پتلی حکومت کا سہارا لیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ دراصل یہ پوری کارروائی لیبیاء کے معمر قذافی کی خواہش پر کی گئی تھی کیونکہ وہ جانچنا چاہتے تھے کہ مرتضیٰ اور ان کے ساتھی اپنے مشن کے ساتھ کس قدر مخلص ہیں۔

کامیابی مل گئی!

جب حکومتِ پاکستان نے مطالبات پوچھے تو پتہ چلا کہ ہائی جیکرز کے پاس ایسی کوئی لسٹ ہے ہی نہیں، یعنی انھیں پتہ نہیں تھا کہ انھوں نے کس کو رہا کروانا ہے؟ فوری طور پر جو

پانچ نام دیے گئے، یہ وہ لوگ تھے جو 26 فروری کو جامعہ کراچی سے پکڑے گئے تھے۔ یہ تمام نام ناصر جمال نے دیے تھے، کیونکہ وہ خود اس کیس میں مفرور تھا۔

بہر حال، مرتضیٰ بھٹو نے اِدھر اُدھر کالز گھمائیں اور بالآخر ایک لسٹ تیار ہوگئی۔ اس میں 49 لوگوں کے نام تھے۔ اگلے دن یعنی پانچ مارچ کو اس میں مزید نام شامل کیے گئے اور تعداد 69 تک پہنچ گئی۔ چھ مارچ کو اور لوگوں کا اضافہ کر کے 92 افراد فائنل کر لیے گئے۔ تب افغان خفیہ ایجنسی ''خاد'' کے سربراہ نجیب اللہ نے یہ لسٹ دیکھی، انھوں نے وہ تمام نام نکلوا دیے جو افغانوں کے تھے۔ کہا کہ یہ ہمارے لوگ ہیں، ان کا معاملہ ہم دیکھ لیں گے، اس لسٹ میں کسی افغان کے نام کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے ایسا غالباً اس لیے کیا تا کہ پاکستان کو یہ ہائی جیکنگ افغان سازش نہ لگے۔ بہر حال، فائنل لسٹ میں 54 لوگ بچے، جو سب کے سب پیپلز پارٹی کے تھے۔ 48 گھنٹے گزرنے پر بچوں اور خواتین کو رہا کر دیا گیا لیکن ساتھ ہی دھمکی بھی دی گئی کہ اب ہر چوبیس گھنٹے میں ایک مسافر کو مار دیا جائے گا۔ افغان صدر کے کہنے پر اس ڈیڈ لائن میں ایک دن کا اضافہ کیا گیا۔ لیکن پاکستان نے کوئی قیدی رہا نہیں کیا۔ پاکستانی حکام ہائی جیکروں سے مذاکرات کے لیے کابل پہنچ

گئے۔ تاہم افغان حکام نے پاکستان کو ان سے مذاکرات کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت کے اخبارات کے مطابق یہ انکار مرتضیٰ بھٹو کے کہنے پر افغان حکومت نے کیا تھا۔ اب مرتضیٰ کے لیے مشکلات بڑھنے لگیں، پھر اس نے جہاز کو دمشق لے جانے کا حکم دیا۔ یوں بدقسمت جہاز نے ایک بار پھر اڑان بھری۔

اب اُس کی منزل تھی شام کا دارالحکومت جہاں شامی انٹیلی جینس کا سربراہ محمد الخولی منتظر تھا۔ ایک بہت ہوشیار انٹیلی جنس آفیسر۔ اُسی نے ٹیپو کو مشورہ دیا کہ پاکستانیوں کو مارنے کی دھمکیوں سے کچھ نہیں ہو گا۔ مطالبات منوانے ہیں تو پہلے امریکی مسافر مارنے کی دھمکی دو۔ کہو کہ امریکی مسافر سی آئی اے کے جاسوس ہیں، ہم انھیں ایک، ایک کر کے مار دیں گے اور یہ چال کام کر گئی!

امریکی پریشر میں پاکستان نے قیدیوں کو رہا کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن اس سے پہلے ایک آخری پتہ کھیلنے کی کوشش ضرور کی۔ ٹیپو کے والد اور ناصر جمال کے بھائی کو دمشق لے جایا گیا۔ ناصر نے تو اپنے بھائی سے ملنے سے انکار کر دیا لیکن ٹیپو نے والد سے ملاقات کی۔ جب باپ نے کہا کہ سب مسافروں کو آزاد کر دو، تو ٹیپو نے جواب دیا: میں آپ کو نہیں جانتا،

میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں۔ میرے باپ کا نام ذوالفقار علی بھٹو ہے اور ماں کا نام نصرت بھٹو۔ میری زندگی بھٹو خاندان کے نام ہے۔

اس حرکت پر باپ نے ایک ہی جواب دیا: تم اب میرے بیٹے نہیں، جو چاہو کرو۔ بالآخر تمام قیدی رہا ہوئے، انھیں شام لایا گیا، ہائی جیکرز کو بھی یہاں سیاسی پناہ مل گئی۔ لیکن اس کامیابی کا کریڈٹ صرف مرتضیٰ کو نہیں جاتا۔ اگر افغانستان میں نجیب اللہ اور شام میں جنرل خولی نہ ہوتے تو کبھی اتنی کامیاب ہائی جیکنگ نہ ہوتی۔ یہ اپنے وقت میں تاریخ کی سب سے طویل ہائی جیکنگ تھی جو 12 دن سے زیادہ چلی۔ جو لوگ رہا کروائے گئے، مرتضیٰ نے اُن سے کہا:

میں مرنے کے لیے تیار ہوں اور مارنے کے لیے بھی، جو ساتھ رہنا چاہتا ہے، میرے ساتھ کابل چلے۔ پھر 22 اپریل 1981 کو 25 لوگ بذریعہ دلّی کابل پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ہائی جیکنگ نے انھیں آزادی نہیں دی، بلکہ کچھ کو موت اور باقی کو سالہا سال کی جلاوطنی بخشی۔ وہ پاکستان کی جیلوں میں رہتے تو شاید دو، تین سال بعد آزاد ہو جاتے لیکن اس "رہائی" کے بعد انھیں سالوں تک ملک دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ راجہ انور کو جب

مرتضیٰ بھٹو نے ڈاکٹر نجیب اللہ کے ذریعے "پل چرخی کابل جیل" میں ڈال دیا تو یہاں وقتاً فوقتاً ان کی ملاقات درجنوں ایسے کارکنوں سے ہوتی رہی جو بھٹو کے جانثار تھے اور الذوالفقار کی خاطر غیر قانونی طریقے سے کابل آئے تھے اور اب مرتضیٰ بھٹو کے زیرِ عتاب ہونے کی وجہ سے جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔ انہی ساتھیوں سے سنے گئے حالات اور آنکھوں دیکھے حال کو اس "گھر کے بھیدی" نے اپنی یادداشتوں کی صورت میں قلمبند کیا جیسے "قبر کی آغوش"۔

لیبیاء میں باقی دو اغواء کاروں کو 1988ء میں بے نظیر بھٹو کے دورہ سے قبل جیل میں ڈال دیا گیا جو 6 سال جیل میں رہے۔ 2011ء میں قذافی کے قتل کے بعد لیبیاء سے یہ دونوں کشتی میں فرار ہو کر یورپ پہنچے اور الگ الگ رہنے لگے ان میں سے ایک کے بارے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے ماضی پر شرمندہ تھے۔

بہر حال، اس ہائی جیک کے 12 دن بعد الذوالفقار بنائی گئی۔ مرتضیٰ نے ٹیپو کو "بھٹو شہید میڈل" دیا، جو الذوالفقار کا نشانِ حیدر تھا۔ لیکن زیادہ وقت نہیں گزرا، ٹیپو کو اپنی اندھی

وفاداری پر اگلا تمغہ بھی ملا، سینے پر گولی کی صورت میں۔ کیسے؟اس بارے میں بات کرنے سے پہلے چلتے ہیں الذوالفقار کی بڑی کارروائیوں کی طرف!

ضیاء الحق پر قاتلانہ حملے

الذوالفقار کی سب سے خطرناک کارروائی تھی، موسٹ ہائی ویلیو ٹارگٹ یعنی جنرل ضیاء الحق پر قاتلانہ حملہ۔

الذوالفقار نے ضیاء الحق پر تین حملے کیے، پہلا حملہ جنوری 1982 کی صبح راولپنڈی میں کیا گیا۔اس مشن کے لیے جن دو افراد کا انتخاب کیا گیا، ان کے کوڈ نیم تھے فیصل اور عامر۔ یہ دونوں ہائی جیکنگ کے ذریعے رہا کروائے گئے قیدیوں میں شامل تھے۔یہی افغانستان سے سیم-7 میزائلز بڑی مشکل سے اسمگل کر کے پنڈی لائے تھے۔جب ضیاء الحق سعودی عرب سے وطن واپس آئے تو ان کے جہاز پر پہلا میزائل فائر بھی کیا گیا۔ لیکن ناتجربہ کاری اور ٹریننگ نہ ہونے کی وجہ سے ہیٹ سیکنگ میزائل لاک ہونے سے پہلے ہی ٹریگر دبا دیا۔جہاز میں ضیاء الحق کے علاوہ جنرل کے ایم عارف، وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب خان اور کئی اہم جرنیل سوار تھے۔

زیادہ دن نہیں گزرے کہ فیصل اور عامر کو اپنا دوسرا اور آخری میزائل آزمانے کا موقع بھی مل گیا۔ یہ سات فروری 1982 کی صبح تھی، جب ضیاء الحق کو لاہور جانا تھا یعنی ان کا فیلکن جہاز ایک بار پھر راولپنڈی سے اڑے گا۔ وقت تھا ساڑھے آٹھ سے نو بجے کے درمیان کا، یعنی رات کے اندھیرے میں نہیں، یہ کارروائی دن کے اجالے میں کرنا تھی۔ دونوں مری روڈ پر چاندنی چوک کے قریب ایک پارک پہنچے جہاں کچھ ہی دیر انتظار کے بعد پونے نو بجے ضیاء الحق کا طیارہ فضا میں بلند ہوا۔ عامر میزائل لانچر پر سے کپڑا ہٹا کر اسے اپنے دائیں کندھے پر اٹھالیتا ہے۔ اس مرتبہ وہ کوئی غلطی نہیں کرنا چاہتا، جیسے ہی ہیٹ سیکنگ سیم-7 میزائل کا لاکنگ سسٹم گرین کا سگنل دیتا ہے، عامر ٹریگر دبا دیتا ہے۔ دھویں کا ایک بادل اٹھتا ہے اور پیچھے سے فیصل کی چیخ بلند ہوتی ہے، بھاگ عامر!

بھاگتے ہوئے دونوں جیسے ہی اوپر نظر دوڑاتے ہیں، ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ میزائل نے ایک بار پھر جہاز کو مس کر دیا۔ دونوں کو پتہ نہیں تھا کہ پائلٹ کو میزائل کی آمد کا پتہ چل گیا تھا، اس نے اچانک جہاز کا رخ موڑ دیا، اس manoeuvre سے جہاز کا توازن تو بگڑا لیکن وہ یقینی تباہی سے بچ گیا، صرف اور صرف چند گز کے فاصلے سے

یوں ضیاءالحق دوسری بار بھی بچ گئے۔ضیاءالحق مضبوط اعصاب کے آدمی تھے،موت کو اتنا قریب سے دیکھنے کے باوجود panic نہیں ہوئے۔جہاز کو واپس ایئرپورٹ لے جانے کا حکم نہیں دیا بلکہ سفر جاری رکھا۔لیکن انھیں اندازہ نہیں تھا کہ اس سے بھی خطرناک حملہ ابھی باقی ہے۔اس بار ضیاءالحق کو ٹارگٹ بنایا گیا انڈیا میں !

الذوالفقار انڈیا میں

اگست 1982: مرتضیٰ بھٹو اور الذوالفقار کا پورا سیٹ اپ کابل سے دلّی شفٹ کر دیا گیا۔ ستمبر سے پاکستان،افغانستان بلکہ ہر جگہ سے الذوالفقار کے کارندے انڈیا پہنچنا شروع ہو گئے۔دلّی کے نواحی علاقے سوریا نگر میں الذوالفقار کا پہلا کیمپ بنا،جو انڈین خفیہ ایجنسی را نے بنایا۔

اگلے مرحلے میں دلّی سے تین،چار سو میل دُور ایک ٹریننگ کیمپ بنایا گیا۔یہ گجرات کے شہر بھوج کے قریب تھا۔یہاں سے ٹریننگ کے بعد ان کارندوں کو سوریا نگر واپس لایا جاتا۔یہاں وہ مرتضیٰ اور شاہنواز سے ملتے اور پھر چار،چار کے گروپوں میں مختلف مشنز پر پاکستان بھیجے جاتے۔جب مرتضیٰ بھٹو بھارت میں تھے اس دور میں سندھ اور کراچی میں

ہونے والی بدامنی کے متعدد واقعات میں مرتضیٰ بھٹو کی الذوالفقار کا نام لیا گیا۔ اس دوران مرتضیٰ نے سب سے خطرناک کارروائی کا فیصلہ کیا وہ بھی اپنے سب سے خطرناک بندے سلام اللہ ٹیپو کے ذریعے، لیکن اس مشن سے پہلے ٹیپو کے ساتھ بہت کچھ ہوا۔

خطرناک ترین مشن

مرتضیٰ کا مزاج ایسا تھا کہ جو بھی ہو، سارا کریڈٹ اسی کو ملے، وہ کسی کو اپنے قریب بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے ابتدا ہی میں ٹیپو کو سائیڈ پر کرنا شروع کر دیا تھا۔ پھر ایسا دن بھی آیا کہ وہ ٹیپو، جس کے سر پر ضیاء الحق نے انعام رکھا ہوا تھا، کابل کی سڑکوں پر آوارہ پھرتا نظر آتا۔ نہ اس کے پاس ڈھنگ کا گھر تھا اور نہ ہی گاڑی۔ اس پر ٹیپو بہت غصے میں تھا، اور اس کی frustration کو مرتضیٰ نے بغاوت سمجھا۔ دسمبر 1981 میں مرتضیٰ نے ٹیپو کو مارنے کا حکم دیا۔ وہ واقعی وڈیرے کا بیٹا تھا، جو صرف ایک زبان جانتا تھا، بندوق کی زبان۔

مرتضیٰ کے موڈ سوئنگز نے ٹیپو کو بچا لیا۔ سزا ملی، لیکن چھوٹی، وہ یہ کہ ٹیپو کو لیبیا بھیج دیا گیا۔ وہ مارچ 1982 میں لیبیا پہنچا اور یہیں پر جنوری 83 میں مرتضیٰ ایک نئی اور زیادہ

خطرناک اسکیم کے ساتھ پہنچا۔ فروری 1983 میں ضیاءالحق کو انڈیا کے دورے پر جانا تھا۔ را نے الذوالفقار کا پورا سیٹ اپ دلّی سے کہیں دُور بنگلور شفٹ کر دیا۔ مرتضیٰ سے بھی کہا گیا کہ وہ جنرل کی آمد کے موقع پر منظرِ عام سے غائب رہے۔ مرتضیٰ نے پہلے شام کا رخ کیا اور پھر وہاں سے لیبیا پہنچے، بھائی اور والدہ دونوں کے ساتھ۔ حالات یہ تھے کہ انڈیا میں الذوالفقار کے کارندے را کی نگرانی میں تھے، کابل کیمپ ختم ہو چکا تھا، اس لیے آخری امید لیبیا میں موجود کارکن ہی تھے جن کے سامنے دلّی پلان پیش کیا گیا کہ انڈیا میں ضیاءالحق پر قاتلانہ حملہ کیا جائے گا۔

اس پلان کی کمان دی گئی ٹیپو کو، وہ تو خوشی سے اچھل پڑا۔ حوصلہ بڑھانے کے لیے ان لوگوں کی ملاقات نصرت بھٹو سے بھی کروائی گئی۔ یہ ملاقات طرابلس کے ایک ہوٹل میں ہوئی، جہاں بیگم بھٹو نے ٹیپو سے کہا: دمشق ایئرپورٹ پر تم نے کہا تھا میں تمھاری ماں ہوں۔ اُسی دن سے تم میرے تیسرے بیٹے ہو۔ اپنی وفاداری اور لگن سے بھی تم نے یہ بات ثابت کی ہے۔ پھر اپنے گلے سے سونے کا ایک لاکٹ اتارا اور ٹیپو کے گلے میں ڈال دیا۔ اِس لاکٹ میں بھٹو کی قبر کی مٹی تھی۔ ٹیپو رو پڑا۔

خطرناک ترین منصوبہ

دلّی آپریشن کے لیے ٹیپو کے علاوہ تین بندوں کا انتخاب ہوا۔ یہ چاروں اردو اسپیکنگ مہاجر تھے۔ ٹیپو کو پندرہ ہزار ڈالرز دیے گئے اور ساتھ ہی وکٹر جونز کا کوڈ نیم۔ یہ سب جعلی "برٹش پاسپورٹ" کے ذریعے بذریعہ دبئی دلی روانہ ہوئے۔ امیگریشن ڈیسک پر سب نے الگ الگ انٹری دی۔ ٹیپو تو کسی طرح نکل گیا، لیکن باقی تینوں پھنس گئے۔ تحقیقات ہوئیں، پکڑے گئے اور جیل میں ڈال دیے گئے۔ ٹیپو دلّی پہنچا اور اکیلا ہی مشن پر لگ گیا۔ پلان کے مطابق ضیاء الحق کو حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر نشانہ بنانا تھا۔ کابل سے فون پر اسے بتایا گیا کہ کارروائی کے لیے اسلحہ دو دن پہلے پہنچ جائے گا۔ یہ ذمہ داری دی گئی تھی مرتضیٰ بھٹو کے قریبی ساتھی پرویز شنواری کو۔ لیکن ٹیپو اُس کا انتظار ہی کرتا رہ گیا، یہاں تک کہ وقت نکل گیا۔ ضیاء الحق تیسری مرتبہ بھی بچ گئے! ٹیپو اُن کے بہت قریب پہنچا، لیکن وہ کیا کرتا؟ بس ہاتھ ہی مسلتا رہا۔ ویسے ایک لمحے کے لیے سوچیں اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو کیا ہوتا؟ شاید پاکستان اور انڈیا کی جنگ چھڑ جاتی! آخر پاکستان کا فوجی صدر انڈیا میں مارا جاتا، وہ بھی الذوالفقار کے ہاتھوں، جس کی ٹریننگ انڈین ایجنسی را کر

رہی تھی پھر را کے ساتھ جو ہوتا، سو ہوتا، پاکستان میں بھی شاید پیپلز پارٹی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جاتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا۔ دلّی پلان ناکام ہوا، اور پھر ٹیپو اور الذوالفقار کی فرسٹریشن اور بڑھ گئی!

دہشت گردی کی مشہور کارروائیاں

25 ستمبر 1981 کو لالا اسد اور انجم نے جسٹس مولوی مشتاق کی گاڑی پر لاہور میں اندھا دھند فائرنگ کر کے چوہدری ظہور الہیٰ اور گاڑی کے ڈرائیور کو قتل کر دیا۔ جسٹس مولوی مشتاق کو البتہ کچھ چوٹیں آئیں۔ مرتضیٰ بھٹو نے بی بی سی پر اس واقعہ کی ذمہ داری قبول کر لی۔

پی آئی اے ہائی جیکنگ، کراچی ہائی کورٹ میں بم دھماکے، کراچی ایئرپورٹ پر ڈی سی 10 طیارے کی تباہی کے علاوہ الذوالفقار کے کریڈٹ پر کئی ناکام کارروائیاں بھی ہیں۔ ان میں سب سے خطرناک تھا 1984 کا پلان۔ تب تک الذوالفقار کے 80 فیصد لوگ یا تو جیلوں میں تھے یا مارے جا چکے تھے۔ ان قیدیوں کو چھڑوانے کے لیے الذوالفقار نے ایک منصوبہ بنایا کہ 23 مارچ 1984 کو یونان میں پاکستانی سفارت خانے پر حملہ کیا جائے گا۔

عملے کو اغوا کر کے پہلا مطالبہ ایک جہاز کا کیا جائے گا، جس میں تمام مغویوں کو لے کر کسی محفوظ ملک جائیں گے اور بدلے میں الذوالفقار کے تمام قیدی چھڑوائے جائیں گے۔ یہ مشن لیبیا میں موجود چھ کارندوں کو سونپا گیا، اور دلی سے بھی تین لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ یہ لوگ "جعلی برٹش پاسپورٹ" پر تین، تین کی ٹکڑیوں میں ایتھنز پہنچے۔ آٹھ مارچ 1984 کو پہلا گروپ پہنچا اور آتے ہی دھر لیا گیا۔ انھیں فوراً واپس دمشق بھیج دیا گیا۔ اگلا ہدف بنایا گیا روم میں پاکستانی ایمبیسی کو۔ جہاں کارروائی کرنا تھی 12 جون 1984۔ کارندے مئی کے مہینے میں کشتیوں کے ذریعے شام سے نکلے۔ اٹلی تو پہنچ گئے لیکن اسلحے کا انتظام نہیں ہوا۔ یہ مشن بھی ناکام ہو گیا! تیسرا ٹارگٹ تھا آسٹریا کا دارالحکومت ویانا۔ یہاں کے لیے نو افراد کو پندرہ پندرہ سو ڈالرز دیے گئے۔ 25 جون کو پہلا گروپ ویانا کی ٹرین میں سوار ہوا اور تیسرا 30 جون کو۔ مرتضیٰ روم کی طرح ویانا بھی خود پہنچے۔ کارندوں کو بتایا کہ اس مشن کے بعد ہم کیوبا جائیں گے، جہاں سیاسی پناہ لیں گے۔ منصوبہ تھا کیم جولائی کو کینیڈین سفارت خانے کی ایک تقریب سے پاکستانی سفیر اور کئی اہم شخصیات کو اغوا کرنا لیکن منصوبہ بندی کا عالم یہ تھا کہ یکم جولائی کو ایسی کوئی تقریب

تھی ہی نہیں۔ مشن ختم ہوا، سب نے پیسے اڑائے، گھومے پھرے، مزے کیے اور پھر چھ جولائی کا دن آگیا۔ پولیس نے ایک جگہ شک پر انھیں پکڑ لیا۔ تلاشی لی گئی تو برٹش پاسپورٹ نکلے، لیکن انگریزی صرف ایک کو آتی تھی اور جرمن تو کسی کو بھی نہیں۔ پولیس کا شک پکا ہو گیا۔ اس نے ہوٹل پر چھاپا مارا اور وہ اسلحہ نکال لیا جو یہ کارروائی کے لیے آسٹریا لائے تھے۔ ساتھ ان لوگوں کی لسٹ بھی ملی، جو پلان کے بعد پاکستانی جیلوں سے رہا کروائے جاتے۔ سب لوگ کو گرفتار کر لیا گیا اور ہتھیار اسمگل کرنے پر چار سے نو سال قید کی سزائیں دی گئی۔ ان تمام ناکامیوں کے بعد 1985 میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو الذوالفقار کے خاتمے کا سبب بنا۔

الذوالفقار کا خاتمہ

18 جولائی 1985۔ الذوالفقار کے کارندے پاکستان کی جیلوں میں یا پھر افغانستان اور لیبیا میں موت سے بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ وہ نوجوان جو مرتضیٰ بھٹو کی خاطر پاکستان سے غیر قانونی طریقے سے فرار ہو کر لیبیاء، شام، بھارت یا افغانستان پہنچ چکے تھے ان کے پاس کرنے کو کچھ نہ بچا تھا ان میں سے بہت سے یورپی ممالک کی سرحدیں غیر قانونی

طریقے سے پار کرتے ہوئے گرفتار ہوئے یا سرحدی پولیس کی گولیوں کا نشانہ بنے جبکہ بہت سوں کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ انہیں زمین نگل گئی یا آسمان۔اس مایوس کن کیفیت میں مرتضیٰ کسی پر بھی یقین کرنے کو تیار نہ تھا وہ جنرل ضیاء الحق سے اس قدر خوفزدہ رہنے لگے کہ اپنے قریب ترین ساتھیوں کو بھی جنرل ضیاء الحق کا ایجنٹ سمجھنے لگے تھے جیسے راجہ انور اور سلام اللہ ٹیپو وغیرہ۔ لیکن بھٹو خاندان تقریباً ایک سال سے فرانس میں تھا، جہاں اُس دن سب کچھ بدل گیا جب شاہنواز بھٹو اپنے گھر میں مردہ پائے گئے۔ بھٹو خاندان آج تک الزام لگاتا ہے کہ شاہنواز کی بیوی ریحانہ صلاح الدین نے انھیں زہر دیا۔ ریحانہ کو گرفتار بھی کیا گیا، فرانس میں مقدمہ بھی چلا، لیکن ان پر الزام ثابت نہیں ہوا۔ ریحانہ کی بہن فوزیہ مرتضیٰ بھٹو کی بیوی تھیں، وہی فوزیہ جن سے مرتضیٰ کو 1980 میں کابل میں محبت ہو گئی تھی۔ انھی سے فاطمہ بھٹو بھی پیدا ہوئیں۔ لیکن شاہنواز کی موت کے بعد مرتضیٰ نے فوزیہ کو طلاق دے دی۔ یہی نہیں، الذوالفقار کا بھی خاتمہ کر دیا اور اپنی بیٹی کو لے کر شام چلے گئے۔ لیکن ٹیپو کا کیا ہوا؟

ٹیپو کا انجام

دلّی پلان کی ناکامی کے بعد ٹیپو 12 مارچ 1983 کو کابل پہنچا۔ وہ مرتضیٰ سے اجازت لے چکا تھا، اس لیے کچھ دن بعد 15 مارچ کو پرویز شنواری کو قتل کر دیا۔ افغان انٹیلی جنس کو پرویز کی لاش مل گئی اور یہ پتہ چلانے میں زیادہ مشکل نہیں ہوئی کہ یہ کام اصل میں ٹیپو کا تھا۔ 20 مارچ کو اسے گرفتار کر لیا گیا اور یوں افغان انٹیلی جنس کو دلّی پلان کا بھی پتہ چل گیا۔ اس نے مرتضیٰ اور نصرت بھٹو سے رابطے کیے کہ شاید ٹیپو کو حق میں گواہی مل جائے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، تیسرا بیٹا قرار دینے والی ماں اب منہ موڑ چکی تھی۔ افغان انٹیلی جینس بھی کیا کرتی؟ کچھ عرصے بعد ٹیپو کی نظر بندی ختم کر دی اور وہ کابل میں ایک عام زندگی گزارنے لگا۔ مرتضیٰ کو پتہ چلا تو اس نے خود نجیب سے رابطہ کیا اور کہا ٹیپو کو شنواری کے قتل میں گرفتار کیا جائے۔ افغان ایسا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے ٹیپو سے جان چھڑانے کی کوشش کی، اسے دلّی کا ایئر ٹکٹ دیا اور کہا کہ وہ یہاں سے چلا جائے اور انڈیا جا کر نئی زندگی شروع کرے۔ لیکن خر دماغ ٹیپو نے ٹکٹ پھاڑ دیا اور دھمکی دی کہ دیکھتا ہوں مجھے یہاں سے کون نکالتا ہے؟

28 اگست 1983 کو افغان انٹیلی جنس نے ٹیپو کو گھر سے اٹھایا اور دلّی کی پرواز میں بٹھانے کے لیے ایئرپورٹ لے گئے۔ جہاں ٹیپو نے بڑا ہنگامہ کھڑا کیا۔ ایئرانڈیا کے کاؤنٹر پر جا کر چلا کر کہنے لگا: میں مشہور ہائی جیکر عالمگیر ہوں، کوئی ایئرلائن جان بوجھ کر کسی ہائی جیکر کو اپنی پرواز میں نہیں بٹھائے گی۔ اس لیے ایئرانڈیا میری سیٹ کینسل کرے۔ اگر زبردستی کی تو میں نئی دلی میں پریس کانفرنس کروں گا اور دنیا کو بتاؤں گا کہ اس ہائی جیکنگ میں نجیب اللہ اور مرتضیٰ کا کیا کردار تھا؟ اب تمام حدیں پار ہو چکی تھیں، یہ حرکت کر کے گویا ٹیپو نے اپنے ڈیتھ وارنٹ پر خود دستخط کر دیے۔ اس واقعے کے بعد مرتضیٰ نے پھر نجیب اللہ کو فون کیا۔ پھر چھ ستمبر کو پانچ افغان کمانڈو ٹیپو کے گھر میں داخل ہوئے۔ اور اسے اٹھا کر بدنام زمانہ جیل ''پل چرخی'' میں پھینک دیا۔ کچھ ہی دنوں میں ٹیپو کو اندازہ ہو گیا کہ اسے کس جہنم میں ڈالا گیا ہے۔ اکتوبر میں اس کے خلاف کیس چلا اور قتل کے الزام میں اسے موت کی سزا سنادی گئی۔ پھر ایک دن فائرنگ اسکواڈ کے ذریعے موت کے گھاٹ بھی اتار دیا گیا۔ تب ٹیپو کی عمر صرف 28 سال تھی۔ وہ سرپھرا تھا، جذباتی تھا، لیکن جو بھی سمجھتا اور سوچتا تھا، اس سے مخلص ضرور تھا۔ لیکن ٹیپو جن کے ساتھ مخلص تھا، وہ ویسے نہیں

تھے۔ بیگم نصرت بھٹو نے ایک نئی کہانی گڑھی کہ ٹیپو نے مرتضیٰ اور شاہنواز پر کلاشنکوف کا برسٹ کھول دیا تھا، یہ معجزہ ہی تھا کہ دونوں بچ گئے۔ شاید بیگم بھٹو کو اندازہ نہیں تھا کہ کلاشنکوف کے ایک برسٹ میں کتنی گولیاں ہوتی ہیں۔ پھر مرتضیٰ کی بیٹی فاطمہ بھٹو نے Songs of Blood & Sword میں لکھا کہ ٹیپو اصل میں ضیاءالحق کا ایجنٹ تھا۔ اُن کے مطابق ہائی جیکنگ کا پورا منصوبہ ٹیپو نے بنایا تھا۔ ٹیپو کی طرح 27 اور ایسے جیالے تھے جن کو مرتضیٰ بھٹو نے خود مروایا تھا۔ درجنوں سرپھرے اپنی جان سے گئے زیادہ تر تو کم عمری تقریباً 17 سے 27 سال کی عمر میں ہی دنیا سے چلے گئے۔ افغانستان، لیبیاء، شام اور بھارت کی بے نام قبروں میں دفن ہوئے، کچھ لوگوں کے انجام کا چند لوگوں کو یا پھر ان کے رب کو ہی معلوم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تمام قسم کی عصبیتوں، حقوق کی جنگ کو ختم کر کے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ" پر جمع کر کے جسدِ واحد ایک قوم بنا کر، ریاستِ پاکستان کی تمام سرحدوں، اکائیوں کو محفوظ و مضبوط بنا کر پاکستان کو بیدار کر کے پاکستان کو حقیقی

معنوں میں اتحادِ امت کا داعی، عالمِ اسلام کا قلعہ، عالمِ اسلام، دکھی، پِسی اور مظلوم انسانیت کا ترجمان، محافظ و رہبر بنا سکے۔